ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
جنوری ۲۰۱۵ء
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں وہ اخلاق کے سب سے اعلا مرتبے اور بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ یہ بات میں نہیں لکھ رہا، کسی انسان کی بات نقل نہیں کر رہا، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قرآن حکیم کی سورۂ القلم کی چوتھی آیت کا ترجمہ یہ ہے:

''اے نبیؐ! بے شک آپؐ اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز ہیں۔''

خود ہمارے حضورؐ کا ارشاد ہے: ''میں تو بھیجا ہی اس لیے گیا ہوں کہ اخلاق کی فضیلتوں کو کمال کے درجے تک پہنچا دوں۔''

اور واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی بڑائیوں سے انسانی تاریخ روشن ہے۔ آپؐ کی پوری زندگی اخلاق کا اعلا ترین نمونہ ہے۔ ایسا نمونہ نہ پہلے دنیا نے دیکھا نہ آئندہ دیکھے گی اور مسلمان ہی نہیں، غیر مسلم بھی، یعنی وہ لوگ بھی جو آپؐ کو نبی نہیں مانتے آپؐ کے اخلاق کی بلندیوں کو ماننے پر مجبور ہیں۔ جارج برنارڈ شا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر محمدؐ اس وقت موجود ہوتے تو دنیا میں امن ہوتا۔

حضورِ اکرمؐ نے صرف اپنوں کے ساتھ ہی نہیں، رشتے داروں کے ساتھ ہی نہیں، دوستوں کے ساتھ ہی نہیں، دشمنوں کے ساتھ بھی اخلاق برتے اور وہ عمدہ سلوک کیا، جس کی مثال نہیں مل سکتی۔

اور ہم، جو آپؐ کے اُمتی ہیں، آپؐ کے نام لیوا ہیں، مگر ہمارے اخلاق؟

لکھنے کی ضرورت نہیں، ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھ لے، اس کو صحیح جواب مل جائے گا۔

تو پھر نونہالو! تم یہ سمجھ لو کہ اخلاق ہی ایک مسلمان کی پہچان ہے اور حضورؐ کا غلام ہونے کی علامت ہے۔

(ہمدرد نونہال اکتوبر ۱۹۹۱ء سے لیا گیا)

پہلی بات
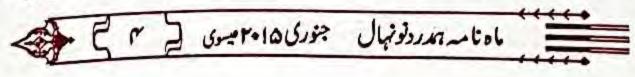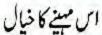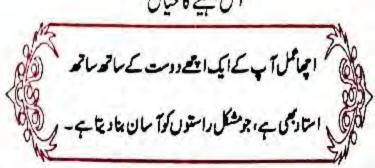
مسعود احمد برکاتی

نونہال دوستو! نئے عیسوی سال کا پہلا شمارہ حاضر ہے۔ یہ ربیع الاول کا بابرکت مہینا بھی ہے۔ ہمارے سرکار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری اسی ماہِ مبارک میں ہوئی تھی۔ آپؐ کی پاک زندگی نہایت اعلا و افضل کردار کا بہترین نمونہ ہے۔ آپؐ کی سیرت روشنی کا بلند ترین مینار ہے۔ آج ہم جن پریشانیوں اور اُلجھنوں میں گرفتار ہیں، اگر حضورؐ کے اس مینار سے روشنی حاصل کرتے تو ان دُکھوں کے بجائے ہماری زندگی سکون و راحت سے پُر ہوتی۔

آپ کا ہمدرد نونہال اللہ کے فضل سے مقبولیت اور خدمت کے ۶۲ سال مکمل کر کے تریسٹھویں (۶۳) سال میں داخل ہوگیا ہے اور نئے جذبے سے آگے بڑھ رہا ہے۔ آج مجھے شہیدِ پاکستان جو ہمدرد نونہال کے بانی بھی ہیں، بہت یاد آرہے ہیں۔ اپنی دوسری بہت سی اور بہت اہم خدمات کے ساتھ ہمدرد نونہال کو بھی قوم اور ملک کی بہت بڑی خدمت سمجھتے تھے۔ اس کی ترقی اور وسعت کی ہر تجویز اور ہر تدبیر کو قبول کرتے اور میری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ حکیم صاحب نے مجھے بہت سی سہولتوں اور اعزازات سے نوازا۔ حکیم صاحب کی خوشی میرے لیے اب بھی راہ نما کا کام کرتی ہے۔ حکیم صاحب کے بعد محترمہ سعدیہ راشد بھی انھی کی طرح ہمدرد نونہال کو خوب سے خوب دیکھنا چاہتی ہیں۔

تازہ شمارہ پڑھیے اور ہمیں دعاؤں میں یاد رکھیے۔ ☆

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

انسانوں کی خدمت کرنا اور کلام پاک کو سمجھ کر پڑھنا بڑی عبادت ہے۔

مرسلہ : واجد نگینوی، ملیر

حضرت عثمان غنیؓ

آہستہ بولنا، نیچی نگاہ رکھنا، درمیانی چال سے چلنا ایمان کی نشانی ہے۔

مرسلہ : عریشہ نوید، کراچی

حکیم لقمانؒ

عمل دل کو اس طرح سے تر و تازہ رکھتا ہے، جیسے بارش زمین کو۔ مرسلہ : محمد قمر الزمان، خوشاب

شیخ سعدیؒ

جس میں برداشت کی قوت نہیں وہ سب سے زیادہ کم زور ہے۔

مرسلہ : نادیہ اقبال، کراچی

نیلسن منڈیلا

غریبی خیرات دینے سے نہیں دولت کی منصفانہ تقسیم سے ختم ہوتی ہے۔

مرسلہ : عبدالرافع، لیاقت آباد

حکیم محمد سعید

آزادی حاصل کرنے سے زیادہ آزادی کو قائم رکھنا مشکل کام ہے۔ مرسلہ : وقارالحسن، حویلی لکھا

آئن سٹائن

وقت کا ہر لمحہ سونے کی طرح قیمتی ہے۔

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

افلاطون

خدا ہر پرندے کو رزق دیتا ہے، مگر اس کے گھونسلے میں نہیں ڈال دیتا۔ رزق حاصل کرنے کے لیے پرندے کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔

مرسلہ: اسریٰ خان، جگہ نامعلوم

سقراط

اچھی شہرت، نیک کاموں کی مہک کا نام ہے۔

مرسلہ : زینب ناصر، فیصل آباد

کنفیوشس

اگر آپ مستقبل کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو ماضی کا مطالعہ کریں۔ مرسلہ : ہنگر بہار، مکران

نعتِ شریفؐ

محمد مشتاق حسین قادری
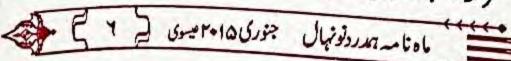
مدینے بُلا لیجیے یا رسولؐ
دعا میری ہو جائے اب تو قبول

مدینے کا راہی ، مدینے کی دھول
سلامِ عقیدت ہو میرا قبول

پڑھوں صرف نعتیں ہی ہر آن میں
کہ رحمت کا مجھ پر ہو ہر دم نزول

اُسے بادشاہت جہاں میں ملی
میسّر جسے آیا عشقِ رسولؐ

اسے در گزر کر دے میرے خدا
جو ہو جائے یا رب! کوئی مجھ سے بھول

یہی نذر کرتا ہوں میں آپؐ کی
مرے پاس نعتوں کے ہیں چند پھول

درِ پاک پر آیا مشتاق بھی
ہو نذرانۂ نعت آقاؐ قبول

کسوٹی

مسعود احمد برکاتی

میں کل شام کو دفتر سے گھر جا رہا تھا۔ کراچی کی ایک چوڑی چکلی سڑک پر دونوں طرف بجلی کے کھمبے اپنی ہلکی ہلکی روشنیوں سے چلنے والوں کو راستہ دکھا رہے تھے۔ دُہری سڑک کے درمیان سبزے پر کہیں کہیں اشتہاری بورڈ بھی اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ انھی میں سے ایک بورڈ پر نظر پڑی، لکھا تھا:

''تمھاری شرافت کی کسوٹی، تمھارے پڑوسی کی گواہی ہے۔''

نیچے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لکھا تھا۔ اچھا؟ یہ حضورؐ کا فرمان ہے۔ کتنے خوب صورت الفاظ ہیں، کتنی عمدہ بات ہے۔ اخلاق کا کیسا پیارا سبق ہے۔ اگر آدمی اپنے پڑوسی سے ہی اچھا نہ ہو تو پھر وہ کیا آدمی ہے۔ بہت سے لوگ ہوتے ہیں، جن کی شرافت کے ڈنکے ساری دنیا میں بجتے ہیں، لیکن ان کے پڑوسی ان سے خوش نہیں ہوتے۔ خوش کیوں ہوں گے، پڑوسیوں کے ساتھ ان کا سلوک کب اچھا ہے۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ہماری گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی، لیکن میں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اسی بورڈ پر کچھ اشتہاری پوسٹر لگے ہوئے ہیں، کچھ میں جلسوں کا اعلان ہے۔ کون سے جلسے؟ سیاسی؟ نہیں سیاسی جلسے نہیں، بلکہ سیرت النبیؐ کے جلسے۔ ان جلسوں میں زوردار تقریریں ہوں گی، حضورؐ کی پاک زندگی کے واقعات بیان کیے جائیں گے، آپؐ کی اخلاقی تعلیم پر عمل کرنے کی تاکید کی جائے گی۔ پڑوسی سے حُسنِ سلوک ہی نہیں دیانت، امانت کے سبق بھی دُہرائے جائیں گے۔ یہ جلسے بھی حضورؐ کے نام پر ہی ہوں گے، لیکن جلسہ کرنے والوں نے اس پر

پوسٹر لگا کر کیا حضورؐ کے اس پیغام کو پھیلانے کی کوشش کی ہے؟ حضورؐ نے دوسروں کے کام بگاڑنے کو پسند نہیں فرمایا ہے۔ آپؐ نے ہمیں شرافت کی تعلیم دی ہے، لیکن ہماری شرافت تو اس بورڈ سے ہی ظاہر ہے، جس کو ہم نے گندہ کر دیا، جس پر رسول اللہؐ کا فرمان لکھا تھا ہم اس کا احترام کرتے تو ضرور ہم اچھے پڑوسی اور اچھے شہری بن سکتے تھے اور ایک شریف انسان بھی۔

میری طرح ہزاروں، لاکھوں لوگ اس سڑک سے روزانہ گزرتے ہیں، ایک لمحے کے لیے ان کی نظریں اس بورڈ پر رُکتی ہیں، لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اس قول کو، اس تعلیم کو بھول جاتے ہیں۔ زندگی یونہی گزر رہی ہے۔ انسان آگے بڑھ رہے ہیں، لیکن ایسے کتنے انسان ہیں جو اپنی شرافت کی گواہی اپنے پڑوسی سے دلوا سکیں۔ ☆

تحریر بھیجنے والے نونہال یاد رکھیں

☆ اپنی کہانی یا مضمون صاف صاف لکھیں اور اس کے پہلے صفحے پر اپنا نام اور اپنے شہر یا گاؤں کا نام بھی صاف لکھیں۔ تحریر کے آخر میں اپنا نام پورا پتا اور فون نمبر بھی لکھیں۔ تحریر کے ہر صفحے پر نمبر بھی ضرور لکھا کریں۔

☆ بہت سے نونہال معلومات افزا اور بلاعنوان کہانی کے کوپن ایک ہی صفحے پر چپکا دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ایک کوپن ضائع ہو جاتا ہے۔

☆ معلومات افزا کے صرف جوابات لکھا کریں۔ پورے سوالات لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔
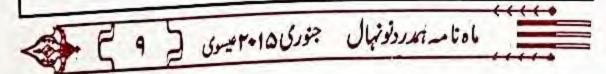
☆

شہیدِ پاکستان - ایک نظر میں

ظلِ ہما

☆ تاریخ پیدائش ۹ جنوری ۱۹۲۰ء (۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ)

☆ مقام پیدائش : دہلی

☆ والد : حکیم عبدالمجید

☆ والدہ : رابعہ بیگم

☆ دادا : حافظ رحیم بخش

☆ نانا : شیخ کریم بخش

☆ پہلا حج : ۱۹۲۷ء (سات سال کی عمر میں)

☆ حفظ قرآن : ۱۹۲۹ء (نو سال کی عمر میں)

☆ تعلیم : ۱۹۳۶ء میں آیورویدک اینڈ طبی کالج میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۰ء میں بی ای ایم ایس (بیچلر آف ایسٹرن میڈیسن اینڈ سرجری) ڈگری حاصل کی۔

☆ بہن بھائی : حمیدہ بیگم، حکیم عبدالحمید، محمودہ بیگم، عبدالوحید

☆ شادی : ۱۹۴۳ء دہلی ☆ شریکِ حیات : نعمت بیگم

☆ واحد اولاد : سعدیہ راشد

☆ نواسیاں : ڈاکٹر ماہم منیر احمد، آمنہ ہمایوں میاں، فاطمہ منیر احمد

☆ اساتذہ : ماسٹر ممتاز حسین، حکیم اقبال حسین، مولانا قاضی سجاد حسین (عربی، فارسی) اور دوسرے۔

☆ طبی تعلیم میں اہم استاد : حکیم فضل الرحمٰن، حکیم عبدالحفیظ

☆ زبان فہمی : اردو اور انگریزی میں مہارت کے علاوہ عربی اور فارسی سے بھی واقفیت تھی۔

☆ پاکستان آمد : ۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی تشریف لائے۔

☆ ملازمت : ۱۹۴۸ء میں کوتوال بلڈنگ گورنمنٹ اسکول میں درس و تدریس۔

☆ آغازِ ہمدرد : ۲۸ جون ۱۹۴۸ء آرام باغ، کراچی۔

عہدے

☆ مرکزی مشیرِ طب صدرِ پاکستان از جنوری ۱۹۷۹ء تا مئی ۱۹۸۲ء۔

☆ گورنر سندھ جولائی ۱۹۹۳ء تا جنوری ۱۹۹۴ء۔

☆ وقف متولی اور چیئرمین ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان۔

☆ صدر ہمدرد فاؤنڈیشن، پاکستان۔

☆ بانی اور صدر مدینتہ الحکمہ، کراچی۔

☆ بانی اور چانسلر ہمدرد یونی ورسٹی، کراچی۔

☆ واقف متولی ہمدرد بنگلا دیش۔

☆ صدر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔

☆ صدر انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ اینڈ میڈیکل ریسرچ کراچی۔

☆ صدر انسٹی ٹیوٹ آف سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز۔

☆ چیئرمین ڈیوک آف ایڈنبرا ایوارڈ اسکیم برائے پاکستان (یوکے)

☆ نائب صدر بورڈ آف ٹرسٹیز اسلامک آرگنائزیشن برائے میڈیکل سائنسز، کویت۔

☆ طبیبِ اعلا، مطب ہائے ہمدرد۔ اس حیثیت میں ملک اور بیرونِ ملک لاکھوں مریضوں کا مفت علاج کیا۔

☆ نائب صدر انٹرنیشنل یونین آف ٹریڈیشنل، ایشین میڈیسن آسٹریلیا، فیلو اسلامک اکیڈمی آف سائنسز اردن، ایسوسی ایٹ ممبر رائل سوسائٹی آف ہیلتھ لندن، فیلو ورلڈ اکیڈمی آف آرٹس اینڈ سائنسز امریکا، ممبر نیویارک اکیڈمی آف سائنسز امریکا۔

اعزازات
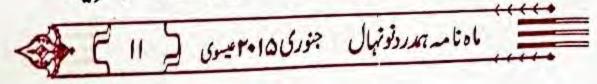
☆ ستارۂ امتیاز ۱۹۶۶ء حکومتِ پاکستان

☆ صادق دوست ایوارڈ از طرف اہلیانِ بہاول پور ۱۹۶۹ء

☆ سرٹیفکیٹ آف میرٹ از استنبول ٹیکنیکل یونی ورسٹی ترکی ۱۹۸۱ء

☆ اسلامک میڈیسن پرائز از کویت فاؤنڈیشن برائے فروغِ طب ۱۹۸۲ء

☆ انٹرنیشنل ملٹی ڈسپنسری سوسائٹی سٹاک ہوم سویڈن کی طرف سے ای ایس سی (ڈاکٹر آف سائنس) کی اعزازی ڈگری جون ۱۹۸۴ء

☆ بوعلی سینا انعام از نووستی پریس ایجنسی، روس ۱۹۸۹ء

☆ عالمی دن برائے انسدادِ تمبا کو ایوارڈز عالمی ادارۂ صحت (ڈبلیو ایچ او) ۱۹۹۵ء

☆ پاکستان لیگ آف امریکا ایوارڈ برائے صحت، تعلیم اور سماجی بہبود، نیو یارک ۱۹۹۶ء

☆ ممتاز پاکستان ایوارڈ از روٹری کلب کاسمو پولیٹن اسلام آباد ۱۹۹۶ء

☆ شہادت کی پہلی برسی پر پانچ رپے کا یادگاری ٹکٹ جاری کیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۹۹ء

☆ نشانِ امتیاز (بعد از مرگ) طب کے میدان میں غیر معمولی خدمات کا سرکاری سطح پر اعتراف، اگست ۲۰۰۰ء

بے مثال خدمات - اداروں کا قیام

☆ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان (۲۸ جون ۱۹۴۸ء)

☆ شامِ ہمدرد (۳ جون ۱۹۶۱ء)

☆ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان (یکم جنوری ۱۹۶۴ء)

☆ ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی (۲۶ ستمبر ۱۹۸۲ء)

☆ مدینتہ الحکمہ (۱۵ دسمبر ۱۹۸۳ء)
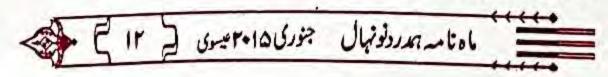
☆ بزمِ ہمدرد نونہال (۲۵-اگست ۱۹۸۵ء)

☆ نونہال ادب (۱۹۸۸ء)

☆ بیت الحکمہ (۱۱-ستمبر ۱۹۸۹ء)

☆ ہمدرد پبلک اسکول (۵-اگست ۱۹۹۱ء)

☆ ایچ ایم آئی انسٹی ٹیوٹ آف فارماکولوجی (۱۰-اکتوبر ۱۹۹۱ء)

☆ ہمدرد کالج آف سائنس اینڈ کامرس (۱۹۹۱ء)

☆ ہمدرد یونی ورسٹی (۲۸-اگست ۱۹۹۱ء)

☆ ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف مینجمینٹ سائنسز (۱۵-مئی ۱۹۹۴ء)

☆ ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن (۱۵-مئی ۱۹۹۴ء)

☆ ہمدرد کالج آف میڈیسن اینڈ ڈینسٹری (۷-اپریل ۱۹۹۴ء)

☆ ہمدرد مجلس شوریٰ (شامِ ہمدرد کی تنظیمِ نو) (۳ جنوری ۱۹۹۵ء)

☆ ہمدرد نونہال اسمبلی (بزمِ ہمدرد نونہال کی تنظیمِ نو) (۳ جنوری ۱۹۹۵ء)

☆ ہمدرد الجید کالج آف ایسٹرن میڈیسن (۲-اپریل ۱۹۹۵ء)

☆ ہمدرد ویلیج اسکول (۱۹۹۷ء)

☆ بحیثیت گورنر سندھ چار یونی ورسٹیوں کو چارٹر عطا کیے۔

☆ ان کی کوششوں سے نہ صرف طبِ مشرقی کو برصغیر میں فروغ حاصل ہوا، بلکہ عالمی ادارۂ صحت (ڈبلیو، ایچ، او) نے اس طریقہ علاج کو تسلیم کیا اور طبِ مشرقی کو مغربی ممالک میں کافی شہرت ملی۔

☆ حکیم صاحب کی زیرِ نگرانی جڑی بوٹیوں پر تحقیق کے نتیجے میں یرقان کی دوا ''اکٹرین'' دریافت کی گئی۔

☆ حکیم صاحب کی کوششوں سے وزارتِ صحت جرمنی نے تعاون کیا اور مدینۃ الحکمہ میں ایک ''سینٹر فار ہارٹی کلچر'' قائم ہوا۔ اس سینٹر میں جرمن ماہرین نے مختلف پودوں اور آب پاشی کے موثر نظام پر تحقیق کی اور اس تحقیق سے مقامی زمینداروں نے فائدہ اُٹھایا۔

ادارت : (اردو)

☆ ہمدرد نونہال (ماہنامہ)، ☆ ہمدرد صحت (ماہنامہ)

☆ ہمدرد اسلامی کس (سہ ماہی) ☆ میڈیکس

تصنیف و تالیف

☆ حکیم صاحب نے اردو، انگریزی میں مختلف موضوعات پر ۲۰۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔

☆ بڑوں کے لیے ۱۲ اور نونہالوں کے لیے ۴۴ سفر نامے تحریر کیے۔

☆ مختلف موضوعات مثلاً اسلام، طب، تحقیق و فلسفہ، سائنس، سیاست اور دیگر پر سیکڑوں مضامین تحریر کیے جو تقریباً ملک کے تمام چھوٹے بڑے اخباروں اور رسالوں میں اہتمام کے ساتھ شائع ہوئے۔

شہادت

☆ محسنِ پاکستان حکیم محمد سعید جنھوں نے اپنی ساری زندگی طب، اسلام اور پاکستان کی ترقی و ترویج میں صرف کی۔ ۱۷- اکتوبر ۱۹۹۸ء کو علی الصبح ہمدرد مطب کے دروازے پر گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی شام انھیں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں ان کی وصیت کے مطابق مدینۃ الحکمہ کے وسط میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

☆☆☆

نئے سال کا پیغام

عبدالحفیظ ظفر، لاہور
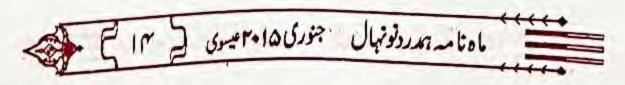
آیا ہوں اس جہاں میں ، سب کو سلام میرا
اس مرحلے پہ آ کے سن لو پیام میرا
ہمت سے ساتھیو! ہر مشکل سے تم گزرنا
جو کام ہو تم کو ، اس کو سنبھل کے کرنا

نفرت کی آگ کو اب اے بھائیو! بجھادو
ہر اک قدم پہ اُلفت کے ، دیپ تم جلا دو
رَچ جائیں گیت چاہت کے ہر طرف فضا میں
آئے وفا کی خوشبو ہر شخص کی صدا میں

اپنے حسیں وطن کی ، اُلفت کا دم بھرو تم
مجھ سے اے نونہالو! وعدہ ذرا کرو تم
''عظمت مزید دو گے محنت سے تم وطن کو
اس سال اور رونق ، بخشو گے اس چمن کو''

مصروف دن

غلام حسین میمن

شہید حکیم محمد سعید کے دن کا آغاز صبح تین بجے ہوتا تھا۔ نمازِ تہجد ادا کر کے وہ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے۔ سورۂ رحمٰن جسے عروس القرآن کہا جاتا ہے، ان کی پسندیدہ سورہ تھی۔ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے انسانوں اور جنوں سے ۳۱ بار یہ سوال کیا ہے کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

شہید حکیم محمد سعید کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ الرحمٰن میں اپنی جن جن نعمتوں کا ذکر کیا ہے، وہ تمام کی تمام ہمارے ملک پاکستان میں ہیں۔ ہمدرد پبلک اسکول، مدینۃ الحکمہ کا ہر بچہ اس سورہ کا حافظ ہے۔

تہجد کے بعد وہ اپنی میز پر آ کر ہمدرد کے منصوبوں پر غور و خوض کرتے۔ وہاں سے آئی ہوئی فائلیں بھی دیکھتے اور ان پر ہدایات لکھتے۔ عموماً یہ تمام فائلیں وہ شام کو ہی دیکھ لیتے تھے، مگر جو فائلیں بچ جاتیں، وہ انھیں صبح نمٹا دیتے۔ اس کے علاوہ مدینۃ الحکمہ میں قائم عظیم لائبریری ''بیت الحکمہ'' میں آنے والے رسائل اور اخبارات کا وہ سرسری مطالعہ کر کے ضروری نوٹ کے ساتھ لائبریری بھجوا دیتے۔

اسی دوران نمازِ فجر کا وقت ہو جاتا۔ نمازِ فجر کی ادائی کے بعد حکیم صاحب ہفتے میں دو دن، ہفتہ اور اتوار کو مطب ہمدرد میں وقفے کے بغیر شام تک مریضوں کا علاج کرتے۔ یہ معمول ان کا گزشتہ کئی برسوں سے تھا۔ اس میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ جب وہ صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے مشیرِ صحت (مرکزی وزیر) بنے اور بعد میں چھے مہینے کے لیے صوبہ سندھ کے گورنر بھی رہے۔ اس دوران بھی انھوں نے اپنے مطب کے اس معمول کو نہیں چھوڑا۔ وہ جس دن مطب کرتے، اس دن ان کا روزہ ہوتا تھا۔
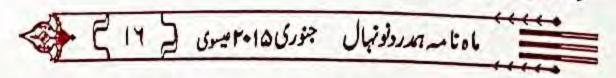
پیر کے دن وہ ہمدرد فاؤنڈیشن اور ہمدرد لیبارٹریز کے دفتر بھی باقاعدگی سے آتے۔ وہ یہاں کے معاملات پر متعلقہ افراد سے مشاورت کرتے اور ہدایات دیتے۔ منگل کے دن وہ بیت الحکمہ میں ہوتے۔ علم و خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر بنائے گئے ''مدینۃ الحکمہ'' میں یہ بہت بڑی لائبریری ہے۔ یہاں پر موجود ہمدرد پبلک اسکول کے بچوں کو پڑھتے ہوئے اور کبھی کھیلتے ہوئے دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوتے۔ انھوں نے مدینۃ الحکمہ میں مسجد، اسکالر ہاؤس اور ہمدرد یونی ورسٹی بھی قائم کی ہے۔ ان معاملات کے علاوہ وہ ہمدرد یونی ورسٹی کے مسائل دیکھتے۔ وہ اس جامعہ کے چانسلر تھے۔ انھیں اس یونی ورسٹی کا اجازت نامہ (چارٹر) ۳ جون ۱۹۹۱ء کو ملا تھا۔

ان مصروفیات کے علاوہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے دفتر میں وہ آپ کے پسندیدہ رسالے ''ہمدرد نونہال'' اور ''ہمدرد صحت'' کے معاملات پر جناب مسعود احمد برکاتی سے مسلسل مشورے کرتے رہتے۔ ہمدرد نونہال کے ہر شمارہ پریس سے آتے ہی حکیم صاحب کے پاس بھیجا جاتا۔ وہ

اپنی پہلی فرصت میں اس کا توجہ سے مطالعہ کرتے، پھر اس پر اپنی رائے نشانات کی شکل میں لگا کر دوبارہ جناب مسعود احمد برکاتی کو بھجوا دیتے۔ ان کے نشان زدہ تمام شمارے آج بھی ہمدرد نونہال کے رکارڈ میں محفوظ ہیں۔

حکیم محمد سعید ہر مہینے ملک کے بڑے شہروں کراچی، لاہور، راولپنڈی، پشاور، اور کوئٹہ میں ہمدرد نونہال اسمبلی اور ہمدرد مجلس شوریٰ میں بھی باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ وہ کراچی کے علاوہ ملک کے دیگر شہروں میں بھی مطب کیا کرتے تھے۔

حکیم محمد سعید نے نونہال ادب کے تحت تین سو سے زائد کتابیں شائع کر کے نونہالوں کے ادب میں مفید اضافہ کیا۔ انھوں نے نونہالوں کے لیے ایک سائنس انسائیکلو پیڈیا بھی شائع کرانا شروع کیا جو تکمیل کے مراحل میں ہے۔

یوں تو حکیم صاحب نرم مزاج تھے، مگر جہاں بے ضابطگی اور نااہلی ہوتی تو وہ سخت ناراض ہو جاتے۔ ایسا ہی ایک واقعہ بیت الحکمہ میں پیش آیا۔ وہاں سے نہایت اہم خط غائب ہو گیا۔ اِدھر اُدھر خوب تلاش ہوئی، مگر خط نہیں مل رہا تھا۔ فکر کے ساتھ شہید حکیم محمد سعید کا غصہ بڑھتا گیا۔ انھوں نے فائل پر نوٹ لکھ دیا کہ اگر خط نہ ملا تو وہ سب کو فارغ کر دیں گے۔ آخر وہ خط کافی کوشش کے بعد مل گیا اور سب کی جان میں جان آئی۔ شہید حکیم محمد سعید بھی اس خط کو پا کر بے حد خوش ہوئے۔ وہ ڈاکٹر ذاکر حسین کا قائداعظم کے نام ایک خط تھا، جو انھوں نے قیامِ پاکستان کے بعد لکھا تھا۔ یہ خط ممتاز محقق رضوان احمد نے خلوص کے ساتھ شہید حکیم محمد سعید کو بیت الحکمہ کے لیے عنایت کیا تھا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین برصغیر کے بہت بڑے دانشور اور ماہرِ تعلیم تھے۔ انھوں نے ایک یونی ورسٹی جامعہ ملیہ دہلی قائم کی تھی۔ ذاکر صاحب بھارت کے نائب صدر اور بعد میں صدر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

یہ تھی شہید حکیم محمد سعید کی زندگی کی جھلک۔ اسی طرح صبح تین بجے سے کام کرتے ہوئے رات تقریباً دس بجے تک فارغ ہوتے تھے۔ ☆

مسکراتی لکیریں
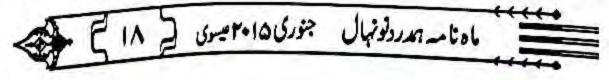
''ابو! کیا آپ اندھیرے میں لکھ سکتے ہیں؟''

''ہاں بیٹا!''

''تو پھر لائٹ بند کر کے میری رپورٹ کارڈ پر دستخط کر دیں۔''

☆☆☆

اللہ نے ملائی جوڑی

انور فرہاد
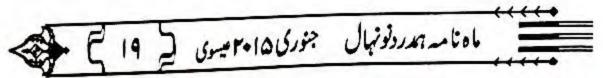
روزانہ کی طرح آج بھی قائداعظم کے مزار پر آنے والوں کا سلسلہ جاری تھا۔ آنے والوں میں ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔ مردوں اور عورتوں کے ساتھ چھوٹے بچے بھی تھے۔ ان ہی میں ایک لڑکا ایک عورت کی اُنگلی پکڑ کر جاتا ہوا نظر آیا۔ پیچھے سے دیکھنے والوں نے جب اسے سامنے سے دیکھا تو ان پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اس لڑکے کے چہرے پر تو لمبی سی داڑھی تھی۔ ایک ہاتھ سے تو وہ عورت کی اُنگلی پکڑے ہوئے تھا، جب کہ دوسرے ہاتھ میں اس کی ٹوپی تھی۔ لوگوں کو اپنی طرف گھورتے دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنے سر پر ٹوپی رکھ لی۔ یہ لال ترکی ٹوپی تھی، جس پر کالا پُھندا لگا ہوتا ہے۔ وہ
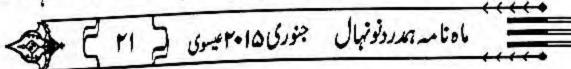
عورت جس کی وہ اُنگلی پکڑے ہوئے تھا، کسی طرح بھی اس لمبی داڑھی والے کی ماں نہیں لگ رہی تھی۔ یہ تو ایک دُبلی پتلی، گوری چٹی جوان عورت تھی۔

......☆......☆......

بھینسوں کے باڑے میں دودھ کا کام کرنے والا خوش حال خان، اپنے نام کی طرح خوش حال تھا۔ بیٹے بیٹیوں سے اس کا گھر مالا مال تھا۔ ایک دن اس کے ایک بیٹے نے اپنی ماں سے کہا: ''ماں جی! یہ تو بتاؤ مجھ سے چھوٹے میرے دو بھائی مجھ سے بڑے ہو گئے ہیں اور میں......''

''اے ہے۔'' ماں نے اس کی بات کاٹ کر کہا: ''جب وہ تجھ سے چھوٹے ہیں تو تجھ سے بڑے کیسے ہو گئے؟''

''ماں جی! میرا مطلب ہے، قد کاٹھ میں مجھ سے بڑے ہو گئے۔ جب کہ میں وہیں کا وہیں ہوں۔'' وہ ذرا رُکا اور پھر کچھ یاد کرتے ہوئے بولا: ''مجھ کو یاد ہے جب میں بہت چھوٹا تھا تو تم مجھے دیکھ کر گنگناتی تھیں:

منے میاں ہوں اتنے بڑے
تاروں کو چھو لیں کھڑے کھڑے

اس وقت سے اب تک اتنے دن ہو گئے، مگر میں تاروں کو تو کیا تمھاری کمر میں چابیوں کا جو گچھا اُڑسا ہوا ہے، اسے بھی نہیں چھو سکتا۔''

اب اس کی ماں نے اسے غور سے دیکھا اور سوچا یہ کہتا تو ٹھیک ہی ہے، یہ بڑا کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ ایک ہی جگہ جم کر کیوں رہ گیا ہے؟ مگر یہ ساری باتیں اس سے نہیں کہیں،
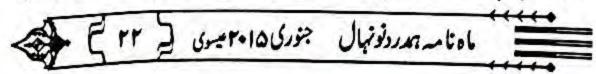
اس کے باپ سے اس کا ذکر ضرور کیا۔

''تو...... تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''کہنا یہ چاہتی ہوں کہ کچھ کرو۔ کوئی تدبیر سوچو...... ڈاکٹروں سے مشورہ کرو۔''

''اس کا تو بس ایک ہی علاج ہے۔ سڑک بنانے والے رولر کے نیچے اسے لٹا دیا جائے۔ رولر اس کے اوپر سے گزر جائے گا تو شاید وہ کچھ بڑا ہو جائے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''جو مجھے کہنا چاہیے۔ جو تم سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی ہو۔ اس کا قد اور نہیں بڑھے گا۔ یہ بونا ہے۔''

''مگر......''
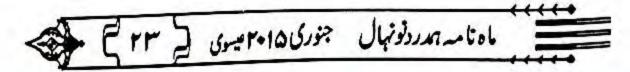
''اب اگر مگر کیا۔ اللہ کی مرضی وہ جسے چاہے لمبا تڑنگا کر دے، جسے چاہے ٹھگنا بنا دے، بونا بنا دے۔''

خوش حال خان نے غلط نہیں کہا تھا۔ وقت گزرتا گیا، مگر اس لڑکے کا قد اتنا ہی رہا اور پھر وہ وقت بھی آیا جب اس کے ماں باپ کو اس کی شادی کی فکر ہوئی، مگر اب مسئلہ یہ درپیش تھا کہ کوئی بونی لڑکی ملے۔ اس تلاش میں کئی سال بیت گئے۔ دوسری طرف بونے افضال خان کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ باہر نکلتا تو اس کے قد کاٹھ کے لڑکے اسے اپنی عمر کا سمجھ کر بہت تنگ کرتے۔

''ارے بھئی! ہمارے ساتھ بھی تھوڑی دیر کھیل لیا کرو۔''

وہ انھیں ڈانٹ کر بھگاتا: ''میں کوئی تمھاری طرح چھوٹا سا بچہ ہوں!''

ایک دن اس نے سوچا کہ اس طرح کام نہیں چلے گا۔ یہ سب مجھے اب بھی کم عمر سمجھتے ہیں، ان لڑکوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے مجھ کو کچھ کرنا پڑے گا۔ اس نے یہ کیا کہ اپنی داڑھی بڑھالی۔ جب داڑھی گھنی ہوگئی تو اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ بند ہوگیا۔

ایک دن خوش حال خان کے پاس ایک شخص نے آکر کہا: ''آپ اپنے بونے بیٹے کے لیے لڑکی تلاش کر رہے ہیں نا؟''

''تو کیا تمھاری کوئی بیٹی بونی ہے؟''

''بونی تو نہیں ہے۔ پھر بھی میں اس کی شادی آپ کے بونے بیٹے سے کرنے کو تیار ہوں۔''

خوش حال خان نے اسے گھور کر دیکھا تو اسے اندازہ ہوا، یہ کوئی مجبور شخص ہے۔
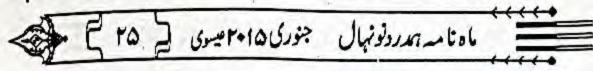
آخر اس کی مجبوری کیا ہے؟ یہ بات اس نے اسی سے پوچھی۔

''وہ جی میری مجبوری یہ ہے کہ میں بیٹی کو جہیز میں کچھ نہیں دے سکتا۔ مجھے اُمید ہے، آپ اسے اپنے بونے بیٹے کی دلہن بنانے پر کوئی جہیز نہیں مانگیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم لوگ سوچتے ہیں۔ تم بھی اچھی طرح سوچ لو۔''

خوش حال خان نے اپنی بیوی اور بونے بیٹے افضال خان سے مشورہ کیا۔ بیوی نے کہا: ''میرے خیال میں تو یہ بڑی اچھی بات ہے کہ کسی بونے کو پورے قد کاٹھ کی بیوی مل جائے، کیوں افضال! تمھارا کیا خیال ہے؟''

چند لمحوں تک اس نے سوچا پھر اس کے چہرے پر بڑی دل کش مسکراہٹ نمودار ہوئی: ''اگر آپ لوگوں کے خیال میں یہ اچھی بات ہے تو میں اسے کوئی بُری بات کیسے سمجھ سکتا ہوں۔''

کئی دنوں کے بعد وہ شخص آیا اور خوش حال خان کو اپنے گھر لے گیا: ''میں نے سوچا، میری بیٹی ریشماں کو بھی آپ لوگ ایک نظر دیکھ لیں تو آپ لوگوں کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔''

لڑکی نارمل قد کاٹھ کی گوری چٹی، دُبلی پتلی سی تھی۔

''ہم تو اسے دیکھے بغیر ہی اپنے بیٹے کی دلہن بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔'' خوش حال خان نے کہا۔

اور پھر ایک دن یہ شادی ہوگئی۔ خوش حال خان کے گھرانے میں یہ کوئی معمولی خوشی نہیں تھی۔ دولھا دلھن بھی ایک دوسرے سے بے حد خوش تھے۔ ریشماں گھر کے کام کاج کے علاوہ باڑے کے کام میں بھی افضال خان کا ہاتھ بٹاتی۔ فارغ اوقات میں دونوں
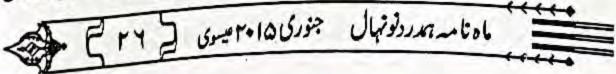
سیر سپاٹے کو بھی نکل جاتے۔ افضال خان یہ چاہتا تھا کہ ریشماں کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کم از کم اس کی کمر تک تو نظر آئے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اونچی ایڑی کے جوتے پہننا شروع کر دیے، جب کہ سر پر لال ترکی ٹوپی پُھند نے والی بھی پہننا شروع کر دی۔ پھر بھی اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔

ایک دن ریشماں اور افضال تفریح کے لیے قائداعظم کے مزار پر گئے۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد وہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا۔ وہاں کسی دہشت گرد نے بم پھینکا تھا، دونوں بدحواس ہو کر بھاگنے لگے۔ ریشماں نے افضال کا ہاتھ تھام رکھا تھا، بھاگتے ہوئے افضال کے پیر میں موچ آ گئی۔ ریشماں نے پلٹ کر دیکھا اور جلدی سے اپنے بونے شوہر کو کسی بچے کی طرح گود میں اُٹھا لیا۔ اس موقع پر دیکھنے والوں نے انتہائی پریشانی کے عالم میں بھی حیرت سے دیکھا۔ سر پر ترکی ٹوپی اور چہرے پر لمبی داڑھی والے کو لمبے قد کی ایک لڑکی گود میں اُٹھائے سرپٹ بھاگی جا رہی ہے۔ ☆

نونہالوں کے لیے دلچسپ اور مفید کتابیں

عربی زبان کے دس سبق

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی صرف دس اسباق میں عربی زبان سکھانے والی کتاب۔ اس کے علاوہ رسالہ ہمدرد نونہال میں "عربی زبان سیکھو" کے تحت عربی سکھانے کے اسباق بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

صفحات : ۹۶ —— قیمت : ۷۵ رُپے

جوہر قابل

مولانا محمد علی جوہر کی زندگی کے ولولہ انگیز حالات و واقعات جنھیں مسعود احمد برکاتی نے سہل، سلیس اور دل نشین انداز میں لکھا ہے۔ تیسرا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ سرورق پُرکشش۔

صفحات : ۶۴ —— قیمت : ۴۵ رُپے

ایڈیسن کا بچپن

بجلی کا بلب ایجاد کر کے پوری دنیا کو روشن کرنے والے سائنس داں کے بچپن کی کہانی۔ اس نے اور بھی سیکڑوں ایجادیں کیں۔ اس کتاب کی مولفہ گوہر تاج نے ایڈیسن کی جدو جہد اور جستجو کے سبق آموز اور حوصلہ پیدا کرنے والے سچے واقعات بیان کیے ہیں۔

صفحات : ۲۴ —— قیمت : ۲۵ رُپے

ننھا سراغ رساں

ننھے سراغ رساں کی عقل مندی، جنگی قیدیوں کا سرنگ بنا کر فرار، شیر کے پیٹ میں چھپے جواہر کا کھوج، ڈاکا ڈالنے کے لیے ہوائی جہاز کا اغوا اور دوسری زور دار کہانیوں نے کتاب کو بہت دل چسپ بنا دیا ہے۔ چھے مشہور ادیبوں کی کہانیاں پڑھ کر لطف اُٹھائیں۔

صفحات : ۸۰ —— قیمت : ۸۰ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔۷۴۶۰۰
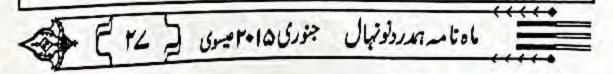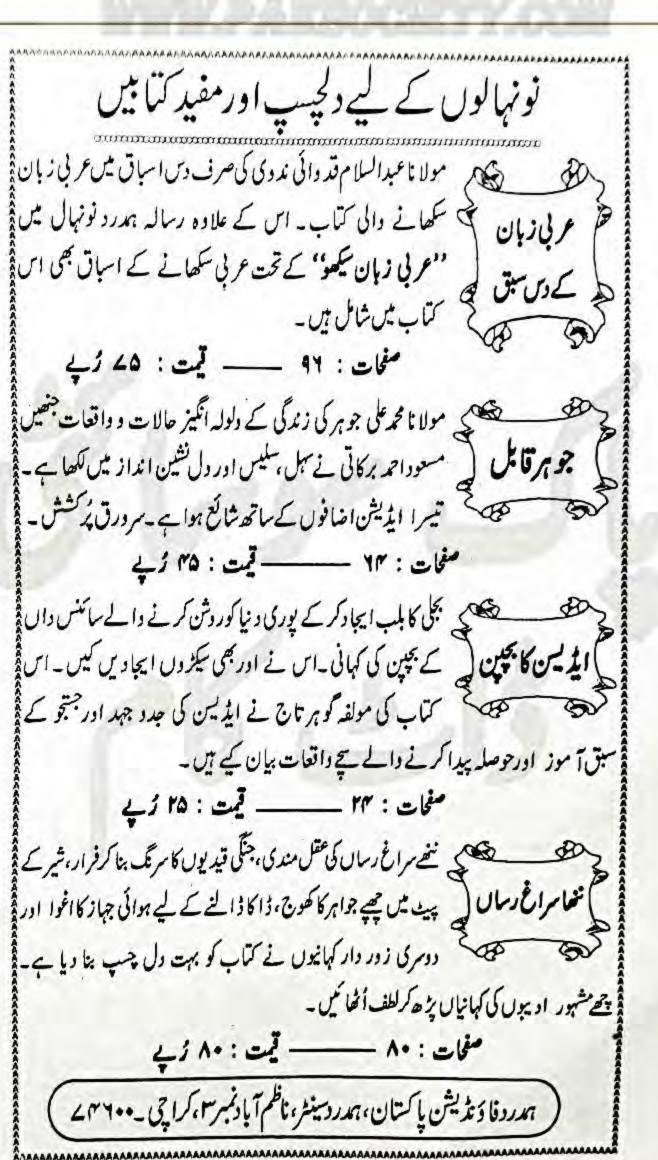
کتابیں ہماری دوست

ڈاکٹر سہیل برکاتی

کتابیں انسان کی بہترین دوست ہوتی ہیں۔ کتابیں ادبی ہوں یا علمی، تاریخی ہوں یا سیاسی، اخلاقی ہوں یا معلوماتی وہ ہر وقت ہماری غم خوار اور زندہ دل ساتھی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ ہر وقت ہمارا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار رہتی ہیں۔ وہ ہماری وفادار دوست ہوتی ہیں، جن پر ہم اعتماد اور بھروسا کر سکتے ہیں۔

دنیا میں اس وقت بڑے بڑے کتاب خانے موجود ہیں، جن میں لاتعداد علمی، ادبی، تاریخی اور سائنسی کتابیں محفوظ ہیں۔ ان کتابوں میں بھی بہت سی قدیم ہیں اور اب دوبارہ چھپ رہی ہیں۔ میں اپنے کتاب خانے میں بیٹھا ہوا کتابوں سے ہم کلام رہتا ہوں اور میرے پاس ان ہی مخلص دوستوں کا ہجوم رہتا ہے۔ بڑے بڑے مصنف اور بڑے بڑے عالم اور محقق اپنی شب و روز کی کاوشوں سے ان کتابوں کو ترتیب دیتے ہیں۔ ہمیں ان لاثانی کتابوں سے ہم کلامی کا ہر وقت موقع مل سکتا ہے۔ دنیا کی ترقی نے ہمیں ہر قسم کی کتابیں مہیا کر دی ہیں۔ ہم جس زمانے کی سیر کرنا چاہیں، اسی عہد کی کتابوں کی ورق گردانی کرنے بیٹھ جائیں، ہماری طبیعت سیر ہو جائے گی اور یہ معلوم ہوگا کہ واقعی ہم اسی زمانے کی سیر کر رہے ہیں۔

ان کتابوں سے لطف اندوز ہونا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جب ہم کسی مصنف کی محنتوں کا مطالعہ کر لیتے ہیں تو اس کے شریکِ حال ہو جاتے ہیں۔ ہمارے مستقبل کی تمام اُمیدیں ان ہی علمی ادبی شہ پاروں سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ ان سے ہمیں

ہر موضوع پر معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح ہم بھی ان مصنفین کی طرح عزت اور نام وری حاصل کریں۔

عام طور سے کتابیں مذہبی، تمدنی، تاریخی، نفسیاتی، سائنسی اور عام معلوماتی موضوعات پر لکھی جاتی ہیں۔ ان کے پڑھنے سے ہم زندگی کے مختلف عنوانات سے واقف ہوتے ہیں اور زندگی کے مسائل حل کرنے کی فکر ہمارے دل کو گدگدانا شروع کر دیتی ہے۔ ہم میں زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا ذہنی اُفق وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے اور ہم رفتہ رفتہ ملک و قوم کی شیرازہ بندی میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔

کتابیں کردار اور اخلاق کی اصلاح میں بھی اہم حصہ لیتی ہیں اور علمی نقطۂ نظر پیدا کرتی ہیں۔ ہماری علمی، مذہبی اور ادبی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ہم ادبی مشاغل میں مصروف ہو کر اپنی ذہنی، جسمانی صلاحیتوں کا بہترین مصرف سیکھ جاتے ہیں۔ ہم اپنے تہذیبی ورثے کو سمجھ کر اس میں اور زیادہ اضافے پر مائل ہوتے ہیں۔ وقت کے تقاضوں کا احساس جاگ اُٹھتا ہے اور ہم ان کی تکمیل کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کتاب ہماری زندگی کی ایک ایسی وفادار ساتھی ہے، جو کسی حالت میں بھی دھوکا، فریب نہیں دیتی، بلکہ ہماری مونس اور غم خوار بن کر ہماری راہبری کرتی ہے۔ ☆

خیالات کا کارواں

حمیرا سید
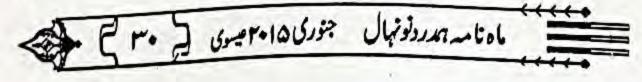
بار بار پڑھنے اور یاد رکھنے والے خیالات

سید مسعود احمد برکاتی صاحب بچوں کے ادب کے میدان میں بہت ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ یہ حقیقت کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ بچے پھولوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کی جسمانی نشوونما کی طرح ان کی ذہنی نشوونما بھی بے حد اہم ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں کے لیے لکھنے والے بہت ہیں، مگر بچوں کے تخلیق کار انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ ان میں نمایاں نام نونہالوں کے ہر دل عزیز ادیب مسعود احمد برکاتی کا ہے، جو اپنی خوب صورت اور سبق آموز تحریروں کے باعث پاکستان کے لاکھوں بچوں کے پسندیدہ اور مقبول مصنف ہیں۔

برکاتی صاحب نے ۱۹۵۳ء میں مدیر اور ۱۹۸۰ء میں مدیرِ اعلا کی ذمے داری سنبھالی اور اللہ کے فضل سے آج بھی اسی حیثیت سے خدمت میں مصروف ہیں۔ ان کا قلم ہر لمحہ، ہر آن نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے ذریعے سے ان کے چہروں پر خوشیوں، قہقہوں اور مسکراہٹ کے رنگ بکھیرتا نظر آتا ہے۔ یہ ادبی کام قابلِ قدر ہی نہیں، لائقِ تحسین بھی ہے۔ برکاتی صاحب آدھی صدی سے زیادہ سے بچوں کے ادب کی ترویج و ترقی کے لیے کام کر رہے ہیں۔

برکاتی کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں متعدد اعزازات دیے جا چکے
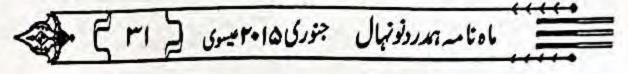
ہیں، مگر حکومتِ پاکستان کی طرف سے ابھی تک کوئی اعزاز نہیں دیا گیا۔ افسوس ہوتا ہے۔ برکاتی صاحب اپنی تحریروں میں سادگی، مٹھاس اور خلوص و تاثیر کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتے۔ نونہال ہر مہینے ''پہلی بات'' کے شروع میں ایک نیا خیال پڑھتے ہیں۔ یہ ''خیال'' برکاتی صاحب نے جون ۱۹۹۱ء سے لکھنا شروع کیا ہے اور اب تک یعنی جون ۱۹۹۱ء سے دسمبر ۲۰۱۴ء تک ۲۸۳ خیالات لکھ چکے ہیں۔ ان کا ہر خیال منفرد اور اچھوتا ہوتا ہے۔ یہ ہر مہینے ان کا مستقل تحفہ ہے۔ ان کا ہر خیال علم کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے خیالات میں نونہالوں کی اخلاقی تربیت و کردار سازی کا عنصر ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔ ان کا ہر خیال اپنی مثال آپ ہے۔ برکاتی صاحب کے ''خیال'' کا مقصد کیا ہے؟ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ان کے الفاظ کیا ہیں؟ لفظوں کی تاثیر کیا ہے؟ وہ اپنے قلم کے ذریعے سے ان کا خوب اظہار کرتے ہیں۔

ان کے ہر قول میں نوجوانوں، نونہالوں سمیت ہر انسان کو پُر عزم رہنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اکثر مشہور شخصیات کو بھی ان کے اقوال محفلوں میں دُہراتے ہوئے سنا گیا ہے۔

میں ان انمول موتیوں کو جمع کر کے ہر سال ایک لڑی میں پروتی رہی ہوں۔ اب میری خواہش ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ان زریں خیالات کا گلدستہ قارئین کے لیے پیاری سی کتابی صورت میں شائع کروں، تاکہ نئے اور پرانے پڑھنے والے فائدہ اُٹھا سکیں۔ بار بار پڑھنے اور محفوظ رکھنے والے یادگار اقوال کا سلسلہ جاری ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ نونہالوں کی علمی ذہنی تربیت کرنے والے برکاتی صاحب جیسے محسنِ ملت کی

فکر کا چراغ آج بھی روشن ہے اور ان شاء اللہ تا دیر روشن رہے گا۔ ہم سب کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسعود احمد برکاتی کو صحت و توانائی کے ساتھ درازیِ عمر عطا فرمائے (آمین)

یہاں صرف سال ۲۰۱۴ء کے خیالات پیش کر رہی ہوں۔

جنوری : کوشش بھی دعا کا ضروری حصہ ہے۔

فروری : خیال کی طاقت، ایٹم بم سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

مارچ : انسان کی دوا انسان ہے۔

اپریل : ایک اچھے دوست کو کھو دینا بہت بڑا نقصان ہے۔

مئی : محبت اور محنت کی دوستی ہو جائے تو انسان کو بلندی پر جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

جون : خیال میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اگر خیال تعمیری ہو تو انسان بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے۔

جولائی : سب سے بڑا خیال یہ ہے کہ دوسروں کا خیال رکھو۔

اگست : ارادے پکے ہوں تو عمل کی قوت پیدا کرتے ہیں۔

ستمبر : علم کا پہلا قدم سوال ہوتا ہے۔ پوچھنے سے نہ گھبراؤ۔ پوچھنے سے ہی نئے راستے مل سکتے ہیں۔

اکتوبر : جس دن آپ نے کچھ نہ پڑھا، وہ دن ضائع گیا۔

نومبر : اپنا دکھ کم کرنا چاہتے ہو تو دوسروں کا دکھ بانٹو۔

دسمبر : اُمید اور یقین کے دوسرے معنی ہیں ''کام یابی''

☆☆☆

تعبیر

محمد شعیب
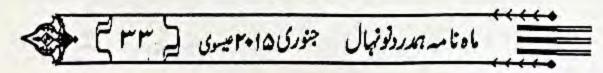
ذیشان نے آج پھر نیند میں چیخنا شروع کر دیا: ''خون ...... خون ...... امی مجھے بچاؤ...... خون ......'' امی کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ امی، آدھی رات کے وقت ذیشان کے پاس دوڑی چلی آئیں۔ ذیشان بستر پر پریشان حال بیٹھا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں ابھی تک خوف جھانک رہا تھا۔ امی نے اُس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو گھبرا کر رہ گئیں۔ اُن کا ہاتھ پسینے سے تر ہو گیا تھا۔ ذیشان کی چیخوں کی آوازیں سُن کر اُس کے ابو بھی کمرے میں پہنچ گئے۔

''کیا ہوا ذیشان بیٹے؟'' انھوں نے ذیشان کی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''ابو! ...... ابو ...... وہ خون ...... ہر طرف خون تھا۔ ابو......'' ذیشان نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''بیٹا! تم نے پھر کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔'' ابو نے پیار سے ذیشان کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''آؤ بیٹا! تم میرے پاس سو جاؤ...... تمھیں ڈر نہیں لگے گا۔'' امی نے ذیشان کو بستر سے اُٹھاتے ہوئے کہا۔

ذیشان امی کے ساتھ اُن کے بستر پر چلا تو گیا، لیکن اب اُس کے لیے سونا مشکل ہو رہا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ پھر وہی منظر دوبارہ خواب میں نہ آ جائے۔

صبح ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہی ابو کی نظریں ذیشان پر پڑیں تو وہ پریشان ہو گئے۔ اُس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ وہ سمجھ گئے کہ ذیشان خواب کے بعد رات کو سو نہیں سکا۔ آج یہ واقعہ دوسری مرتبہ رونما ہوا تھا، اس سے پہلے، گزشتہ اتوار کو بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔
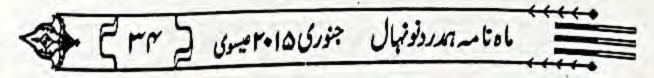
ناشتے کے بعد ذیشان لباس تبدیل کرنے چلا گیا تو ابو نے امی کو مخاطب کیا: ''دوسری مرتبہ ذیشان کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔''

''جی ہاں! اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟'' امی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

اگلے دو دن خیریت سے گزر گئے اور دوبارہ سے زندگی معمول پر آ گئی۔ امی اور ابو بھی خوش تھے کہ ذیشان کا خونی خواب سے پیچھا چھوٹ گیا ہے۔

ذیشان آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ اپنی جماعت کے محنتی اور لایق طلبہ میں شمار ہونے کی وجہ سے مانیٹر بھی تھا۔ اساتذہ اور ہم جماعت بھی ذیشان کی تعریفیں کرتے تھے۔ اُس نے اپنے خونی خواب کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی کہ ہفتے کی شام وہ اسکول سے خوش خوش واپس گھر آیا۔ چھٹی کا دن اُس کے لیے بہت خوش گوار ہوتا تھا۔ وہ اپنے ابو، امی کے ساتھ پارک میں سیر کے لیے جاتا، جہاں رنگ رنگ کے پھول کھلے ہوتے۔ ذیشان کو پھول شروع ہی سے بہت پسند تھے اور وہ اپنی پسند کی چیز حاصل کیے بغیر کبھی نہ رہتا۔

۲۵ دسمبر کو یومِ قائداعظم کی وجہ سے عام تعطیل تھی۔ صبح صبح ذیشان کے ماموں اپنے بچوں کے ساتھ اُن کے گھر آ گئے۔ چھٹی کے دن اکثر اُن کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا لگا رہتا تھا۔ تھی۔ ذیشان کا ماموں زاد بھائی فہیم، تقریباً اُس کا ہم عمر تھا۔ سب نے گھر کے قریب ایک پارک میں جانے کا فیصلہ کیا۔

آج پارک کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ صفائی کا عمدہ انتظام تھا۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ پہلے تو سب نے پارک کی خوب سیر کی۔ انھوں نے دسترخوان بچھایا، کھانے کے بعد ابھی سب بیٹھے ہی تھے کہ ذیشان اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''میں اپنی پسند کے پھول توڑ لاؤں!'' امی نے ہمیشہ کی طرح اُسے منع کیا، لیکن اُس نے سنی اَن سنی کر دی۔

کچھ دیر بعد ذیشان دونوں ہاتھوں میں رنگ رنگ کے پھول اکٹھے کیے ایک طرف

سے نمودار ہوا۔ اُس کے چہرے پر خوشی کی لہریں رواں دواں تھیں۔ ماموں نے اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا: ''تم اتنے سارے پھولوں کا کیا کرو گے؟''

''میں انھیں اپنے کمرے میں سجاؤں گا۔'' ذیشان نے پھولوں کی طرف دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

ابھی وہ اُٹھنے ہی والے تھے کہ پارک کے مالی بابا اُن کے سر پر آ پہنچے: ''آپ کے بچے نے پھول توڑ کر پودوں کا ستیاناس کر دیا ہے، میری ساری محنت ضائع ہو گئی ہے۔'' اُنھوں نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''اب جواب دو!'' ماموں نے ذیشان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ذیشان کا خوف کے مارے بُرا حال تھا۔ اُس کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔

''اب معاف کر دیں، آئندہ یہ ایسی حرکت نہیں کرے گا!'' ذیشان کے ابو نے معذرت کرتے ہو کہا۔

''صاحب! اس نے تو پودوں کی شاخیں تک توڑ دی ہیں۔''

یہ کہہ کر مالی بابا کچھ بُڑبڑاتے ہوئے ایک طرف کو چل دیے۔

گھر آ کر ذیشان نے پھولوں کو اپنے کمرے میں سجا دیا اور بڑی محویت سے انھیں دیکھنے لگا۔ جلد ہی سب سو گئے۔ آدھی رات کے وقت پھر وہی ہوا۔ ذیشان کی چیخیں سن کر امی اور ابو دوڑے چلے آئے۔ ذیشان کی حالت بُری ہو رہی تھی۔ ''امی! ...... خون ...... ہر طرف خون ہے ...... امی! مجھے بچائیں!'' ذیشان نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

''کیا ہو گیا ہے میرے بچے کو!'' امی نے فوراً اُس کا سر اپنی گود میں رکھتے ہوئے پیار سے کہا۔

''امی ...... امی ......'' وہ خوف سے کانپ رہا تھا، جس کی وجہ سے اُس کی آواز
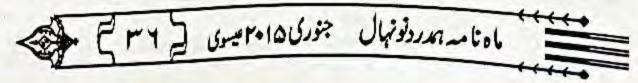
تک نہیں نکل رہی تھی۔

اگلے روز ابو دفتر روانہ ہوئے تو اُن کی طبیعت کچھ بوجھل تھی۔ ذیشان کے خونی خواب نے اُن کو پریشان کر رکھا تھا۔ دفتر پہنچ کر انھوں نے اس خواب کا تذکرہ پہلی مرتبہ اپنے دوست زاہد صاحب سے کیا۔ انھوں نے خواب کا پورا واقعہ سنا اور یہ کہہ کر تسلی دی کہ وہ اپنی مسجد کے پیش امام سے بات کریں گے۔

دو روز بعد دفتر میں زاہد صاحب نے بتایا کہ انھوں نے خونی خواب کے بارے میں پیش امام صاحب سے بات کی تھی۔ اُنھوں نے بچے کو ساتھ لانے کے لیے کہا ہے۔ آپ ہفتے کی شام میرے ساتھ اُن کے پاس چلیں گے۔ گھر آ کر ابو نے ساری بات ذیشان اور اُس کی امی کو بتا دی۔

ہفتے کی شام ذیشان اور اُس کے ابو، زاہد صاحب کے ساتھ کار میں امام صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ذیشان اور اُس کے ابو کو اس وقت حیرت ہوئی، جب زاہد صاحب نے کار، پارک کے سامنے جا کر روکی۔ وہ کار سے اُتر کر پارک کے ایک جانب بنے ہوئے چھوٹے سے مکان کے سامنے جا رُکے۔ زاہد صاحب نے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو ذیشان اور اُس کے ابو کو ایک بار پھر حیران ہونا پڑا۔ اُن کے سامنے مالی بابا کھڑے تھے۔

''یہی ہماری مسجد کے پیش امام ہیں۔'' زاہد صاحب نے سلام کے بعد تعارف کرایا۔

''آؤ بیٹا! آ جاؤ......'' انھوں نے دروازہ پوری طرح کھولتے ہوئے کہا۔

یہ تینوں اندر چلے گئے۔ مالی بابا نے ذیشان اور اُس کے ابو کو شاید نہیں پہچانا تھا۔ ذیشان کے ابو نے خونی خواب کے بارے میں سارا قصہ کہہ ڈالا۔ قصہ سُن کر مالی بابا نے غور سے ذیشان کی طرف دیکھا، پھر انھوں نے ذیشان کو پہچان لیا اور بولے: ''بیٹا جی!
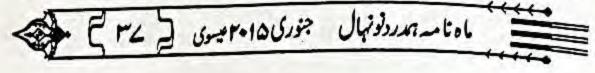
میں سب سمجھ گیا ہوں، لیکن اس میں قصور بچے کے ساتھ آپ کا بھی ہے، آپ نے کبھی بچے سے نہیں پوچھا کہ تم اتنے سارے پھول کہاں سے لاتے ہو۔''

ذیشان کے ابو نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا: ''میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا جناب!''

مالی بابا دھیمے لہجے میں بولے: ''بیٹا! روزی روٹی کے لیے میں اس پارک میں مالی کا کام کرتا ہوں۔ دو مہینوں سے کوئی پھولوں کے سارے پودے توڑ دیتا تھا۔ پہلے تو میں درگزر کرتا رہا، لیکن آخر کب تک؟ تین ہفتے پہلے، میں نے غصے میں آ کر بد دعا دے دی کہ جو بھی ان پودوں کا خون کرتا ہے، وہ بھی خون ہی دیکھے!''

ذیشان کے ابو ساری بات سمجھ گئے۔ انھوں نے مالی بابا سے معذرت کی۔

مالی بابا ذیشان کی طرف دیکھ کر کہنے لگے: ''بیٹا! پودے اور درخت بھی ہماری طرح سانس لیتے ہیں، وہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑے ہوتے ہیں اور زمین سے غذا لیتے ہیں۔ وہ ہماری طرح صرف چل پھر نہیں سکتے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اُن کا خون کریں۔''

ذیشان بہت شرمندہ تھا، اُس نے مالی بابا سے معافی مانگتے ہوئے کہا: ''بابا جی! مجھے معاف کر دیں! میں نے اپنی سائنس کی کتاب میں پڑھا تھا کہ درخت جان دار ہوتے ہیں۔ آج میں اس کا مطلب پوری طرح سمجھ گیا ہوں۔ میرا وعدہ ہے کہ میں آیندہ پودوں کا خون نہیں کروں گا، بلکہ ان کی حفاظت کروں گا۔''

مالی بابا بہت خوش ہوئے اور ذیشان کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے شاباش دی۔

اس کے بعد ذیشان کو خونی خواب نے کبھی تنگ نہیں کیا۔
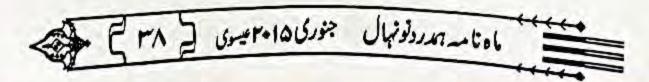
☆☆☆

چڑیا گھر کی سیر

قیصر حسنین

چڑیا گھر کی سیر نرالی

بھالو بھورا ، ہتھنی کالی

ہم نے وہاں پر بندر دیکھے

کچھ باہر ، کچھ اندر دیکھے

ناچ رہا تھا مور وہاں پر

سب نے مچایا شور وہاں پر

بطخ ، مچھلی کھاتے دیکھی

شیرنی آتے جاتے دیکھی

چلّاتے تھے اُود بلاؤ

جلد ہمارا کھانا لاؤ

چلتے چلتے تھک گئے سارے

ہم ہیں وطن کے چاند ستارے

میری آپ بیتی

جاوید اقبال

پیارے دوستو! میرا نام بینی ہے۔ جب میں چھوٹی سی تھی تو ایک گاؤں میں اپنی ماما، پاپا اور بہن بھائیوں کے ساتھ رہتی تھی۔ ہم وہاں بہت خوش تھے۔ ماما مرغی کے ساتھ ہم کھیتوں میں، گلیوں میں، آنگن میں بھاگتے دوڑتے رہتے۔ زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔

لیکن دوستو؟ وقت سدا کب ایک سا رہتا ہے۔ خوشی اور غم کا ساتھ ہمیشہ سے رہا ہے۔ جب میں اور میرے بہن بھائی بڑے ہوئے تو ہماری غریب مالکن نے ہمیں ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس شخص نے ہمیں شہر لے جا کر مرغی کا گوشت بیچنے والے کی دکان پر بیچ ڈالا۔ یہاں ہمیں ایک گندے سے دڑبے میں جہاں پہلے ہی بہت ساری مرغیاں قید تھیں، بند کر دیا گیا۔ اس تنگ سے گندے دڑبے میں نہ ڈھنگ سے کھانے کو ملتا نہ پینے کو۔ وہاں ہمارا دم گھٹ رہا تھا۔ سانس لینے تک کی جگہ نہ تھی۔ وہاں جو طاقت ور تھے، کم زوروں کو مار رہے تھے۔ کم زور کونے کھدروں میں چھپ رہے تھے۔ دکان پر کوئی گاہک آتا تو دکان کا مالک ہم میں سے کسی ایک کو پکڑ لیتا۔ پکڑا جانے والا چیختا چلاتا، مگر دکان دار اسے ہماری نظروں کے سامنے بے دردی سے ذبح کر ڈالتا۔ ہم بے بسی سے یہ سب دیکھتے رہتے۔ اس کا تڑپنا دیکھتے، مگر کچھ نہ کر سکتے۔ آہستہ آہستہ میرے سارے ساتھی ذبح ہو گئے۔ آخر میں اکیلی رہ گئی۔ میں ڈر رہی تھی، کیوں کہ اب میری باری تھی۔ مجھے اپنی ماما، اپنے بہن بھائی اور سہیلیاں یاد آ رہی تھیں۔ وہ کھیت کھلیان، وہ آنگن جہاں میں ہنستی کھیلتی

رہتی تھی۔ یاد آ رہے تھے، مگر میں بے بس تھی۔ پھر دکان میں ایک گاہک داخل ہوا۔ وہ نظروں ہی نظروں میں مجھے ٹول رہا تھا۔ اس نے دکان دار سے کچھ کہا۔ دکان دار اُٹھ کر میری طرف بڑھا میں ڈر کر ایک کونے میں دبک گئی۔ دکان دار نے ڈربے کا دروازہ کھول کر ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں چیخی چلائی، مگر اس نے مجھے دبوچ لیا۔ پھر اس نے میرے پَروں کو بے دردی سے موڑ کر اپنے پاؤں کے نیچے رکھا۔ ایک ہاتھ سے میرا سر پکڑا اور ایک لمبی سی چھری سے میری گردن کاٹنے کی تیاری کرنے لگا۔ اچانک اُسی وقت ایک اور گاہک آن پہنچا۔ دکان دار اس سے باتوں میں مصروف ہوگیا۔ اس کی گرفت میرے

پَروں پر ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور ایک جھٹکے سے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرا لیا اور چیختی چلّاتی ایک طرف کو بھاگ نکلی۔ دکان دار میرے پیچھے بھاگا، لیکن میں اُڑتی بھاگتی دکان دار کی نظروں سے اُوجھل ہو گئی۔ بھاگتے بھاگتے میں ایک پارک میں جا پہنچی اور جھاڑیوں میں خود کو چھپا لیا۔ میں کتنی ہی دیر تک وہاں چھپی رہی۔ پھر ایک بلی نے مجھے وہاں چھپے دیکھ لیا۔ وہ مجھے پکڑنے کے لیے لپکی، میں اس سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگی۔ پارک میں بہت سے بچے کھیل رہے تھے۔ ان کی مجھ پہ نظر پڑ گئی۔ انھوں نے بلی کو بھگا دیا اور ایک بچہ مجھے پکڑ کر اپنے گھر لے گیا۔

دوستو! وہ بچہ اور اس کے گھر والے بہت اچھے تھے۔ انھوں نے مجھے دانا کھلایا میرے لیے لکڑی کا چھوٹا سا گھر بنا دیا۔ میں بھی انھیں روزانہ ایک انڈا دیتی۔ پھر انھوں نے میرے بہت سارے انڈے اکھٹے کر لیے اور میں ان انڈوں پر بیٹھ گئی۔ اکیس بائیس دن بعد انڈوں سے چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے چوزے نکل آئے۔ میں ان چوزوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ وہ لڑکا اور سب گھر والے بھی میرے ننھے منے بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

دوستو! اب میرے بچے گھر میں بھاگتے دوڑتے رہتے ہیں۔ میں ان کی پیاری پیاری شرارتوں سے خوش ہوتی ہوں اور ان کا بہت خیال رکھتی ہوں، کیوں کہ بلّیاں اور چیل، کوّے میرے ننھے بچوں کے دشمن ہیں۔ اس وقت بھی ایک چیل اُڑتی ہوئی اس طرف آ رہی ہے۔ مجھے اس سے اپنے بچوں کی حفاظت کرنی ہے۔ اس لیے دوستو! خدا حافظ۔

☆☆☆

وقت بہت کم ہے

انفال احمد خاں
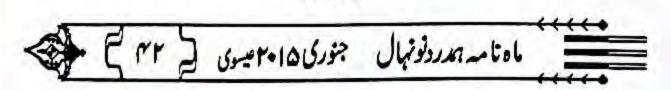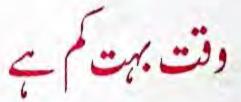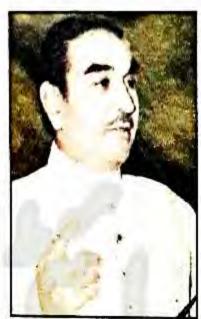
شہید حکیم محمد سعید صاحب ایک بے حد نرم دل اور سادہ طبیعت کے انسان تھے۔ وہ لوگوں کو امن اور سکون کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سب لوگ علم اور عالم کا احترام کریں اور اپنی زندگی کو دوسروں کے فائدوں کے لیے وقف کریں، چوں کہ وہ ہمیشہ سچ کہا کرتے تھے، اس لیے انھوں نے سب سے پہلے اپنی بات پر خود عمل کر کے بھی دکھایا۔

وہ وقت کے بھی بہت پابند تھے۔ لوگ ان کی آمد پر اپنی گھڑیاں درست کر لیا کرتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں وہ پاکستان کے حالات کی وجہ سے بہت فکر مند رہنے لگے تھے اور ہر لمحہ کوئی بھلائی کا کام کرنے کی کوشش کرتے رہتے۔ اپنی شہادت سے چند دن پہلے وہ اپنی صاحبزادی سعدیہ راشد کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے، اچانک کہنے لگے: ''سعدیہ! میں اپنی رات کی نیند کا وقت کچھ اور کم کر دوں گا۔''

سعدیہ صاحبہ بولیں: ''ابا جان! آپ تو پہلے ہی بہت کم سوتے ہیں، اب مزید نیند میں کمی کریں گے تو آپ کی صحت پر بُرا اثر پڑے گا۔''

حکیم صاحب نے فرمایا: ''کیا کروں سعدیہ! میرے پاس اب وقت بہت کم ہے۔''

اور پھر واقعی چند روز بعد حکیم صاحب شہید کر دیے گئے، لیکن ان کے بڑے بڑے کارنامے ہمیشہ ہمیں ان کی یاد دلاتے رہیں گے۔

☆☆☆

بلاعنوان انعامی کہانی

جدون ادیب
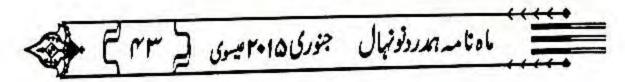
آج سر مراد بہت غصّے میں تھے۔ آٹھویں جماعت کے لڑکوں نے سوالوں کے جواب یاد نہیں کیے تھے۔ وہ روز کہہ کہہ کر تھک چکے تھے اور اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انھوں نے اسٹاف روم سے چھڑی منگوائی اور تمام لڑکوں کو چار چار چھڑیاں لگائیں۔ جب نعیم کا نمبر آیا تو وہ ایک لمحے کے لیے رُکے، مگر دوسرے لمحے انھوں نے نعیم کے ہاتھ پر بھی چار چھڑیاں ماریں۔ نعیم بے یقینی کے انداز میں اپنے سرخ ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ سر مراد نے اسے کوئی رعایت نہیں دی تھی اور شاید سب سے زیادہ زور سے اس کو ہی مارا تھا۔ کم از کم نعیم کا تو یہی خیال تھا۔ اس کا دوسرا خیال یہ بھی تھا کہ سر کے جاتے ہی سب اس کے گرد جمع ہو کر اس سے ہمدردی اور یکجہتی کا اظہار کریں گے، مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ سب لاتعلق رہے کوئی بھی اس سے ہمدردی کر کے سر مراد کے معاملے

میں فریق نہیں بننا چاہتا تھا۔

سر مراد اسکول کے سب سے قابل اور مقبول استاد تھے۔ ان کے پڑھانے کا انداز بچوں کو بہت پسند تھا۔ اسکول میں سب ان سے مرعوب تھے، کیوں کہ جسمانی سزا پر پابندی ہونے کے باوجود صرف وہی بچوں کو سخت سزا دیا کرتے تھے۔ پرنسپل اور انچارج اساتذہ اس معاملے میں ان سے باز پرس نہیں کیا کرتے تھے۔

نعیم ''دیمو دادا'' کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا تھا۔ شاید ہی کوئی اسے ڈانٹنے کی ہمت کرے۔ جب سر مراد نے اسے مارا تو سب کے کان کھڑے ہو گئے۔

''دیمو دادا'' ایک سماجی اور سیاسی کارکن تھا۔ اس کا اصل نام ندیم تھا۔ وہ ہفتہ وار بازاروں سے پیسے وصول کرتا تھا۔ تھانہ کچہری کے معاملات میں اپنی حیثیت جتا کر لوگوں کے کام کراتا اور اس کے بدلے ان سے رقم لیتا تھا۔ الیکشن کے دنوں میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی اور وہ بھاری

رقمیں بٹور لیتا۔
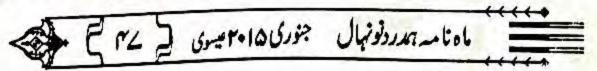
ایک اونچی پہنچ والے انسان کے طور پر مشہور دیمو دادا کے نازوں پلے بیٹے کو مارنا سر مراد کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اسٹاف کا یہی خیال تھا۔ اب سب فکر مند تھے کہ معلوم نہیں کیا ہوگا؟ پرنسپل صاحب نے سوچا کہ سر مراد کو بلا کر تنبیہ کریں، مگر پھر ان کو خیال آیا کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے، اب واعظ و نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں۔

دوسری طرف نعیم بہت ذلت محسوس کر رہا تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ سر مراد اسے بھی ماریں گے۔ اسے بھی اپنے باپ کے رعب و دبدبے کا بہت غرور تھا، اسی لیے جب وہ روتا ہوا گھر میں داخل ہوا تو جیسے بھونچال آ گیا۔ دیمو دادا نے گرجنا شروع کر دیا اور غصے سے بولا کہ وہ اپنے بیٹے کے ایک ایک آنسو کا حساب لے گا۔

جب نعیم نے سر مراد کی شکایت کی تو دیمو دادا کسی سوچ میں پڑ گیا، مگر دوسرے لمحے اس نے اپنے بیٹے کے آنسو پونچھے اور اسے یقین دلایا کہ وہ اس کے آنسوؤں کا حساب ضرور لے گا، انصاف ضرور کرے گا۔

دیمو دادا پڑھے لکھے لوگوں کی قدر کرتا تھا۔ معاملہ ایک استاد کا تھا اور وہ ٹھنڈے دل سے سوچنے کے بعد کوئی فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

رات کو جب نعیم اور اس کی ماں سو گئے تو دیمو دادا صحن میں آ گیا اور آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھ کر اپنے ماضی کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے اچانک احساس ہوا کہ تاریخ خود کو دہرا رہی ہے۔

آج سے بہت سال پہلے وہ بھی اپنے گھر پر اپنے استاد کی شکایت لے کر آیا تھا۔ اس کے ماں باپ اَن پڑھ، مگر بہت شریف انسان تھے۔ وہ اپنے بچے کی شکایتوں پر کان نہیں دھرتے تھے، مگر اس دن گاؤں سے ندیم کے ماموں آئے ہوئے تھے۔ دوسرے دن ندیم اپنے ماموں کو

لے کر اسکول چلا گیا۔ ماموں نے سخت لہجے میں ندیم کے استاد کو ڈانٹا اور سخت بدزبانی کی۔ استاد صاحب نے مجبوراً ان سے معافی مانگ لی۔

ندیم کی یہ عارضی جیت اس کی زندگی کی سب سے بڑی ہار بن گئی۔ وہ فخریہ انداز میں جماعت میں داخل ہوا تو اس کے ساتھیوں نے اس سے منھ پھیر لیا۔ وہ اپنے استاد کی بے عزتی پر اس سے سخت ناراض تھے۔ اگلے دو تین دن اس نے بہت مشکل سے گزارے۔ اسے اپنا وجود اجنبی لگنے لگا تھا۔ سب کی نظروں میں اس کے لیے نفرت تھی، پھر وہ اس دباؤ کو نہ سہ سکا اور اس نے اسکول چھوڑ دیا۔ محلے کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے لگا۔ سگرٹ کی لت پڑی اور پھر چھوٹی موٹی چوریاں کرتے کرتے وہ عادی مجرم بن گیا۔ ایک سیاسی جماعت کی آڑ ملی تو اس نے اعلانیہ لوگوں سے زبردستی کرنی شروع کر دی۔ ماں باپ بے سکون ہو کر مرے اور وہ ان کی دعاؤں سے محروم رہا۔ زندگی کی گاڑی تو چل پڑی، مگر اب وہ ایک بے یقینی اور ایک غیر محسوس خوف تلے زندگی گزار رہا تھا۔ ضمیر کی چبھن کبھی کبھار بے چین کر دیتی کہ وہ کیسی بے مقصد زندگی گزار رہا ہے۔ لوگ سب کچھ اپنی اولاد کے لیے کرتے ہیں، لیکن وہ اپنی اولاد کے لیے کیا کر رہا تھا...... اس کے بیٹے کا مستقبل کیا ہوگا!

کیا ایک اور بُرا انسان جنم لے رہا تھا، کیا دیمو دادا کی طرح اس کا بیٹا "نیمو دادا" بنے گا؟ دیمو دادا کو پتا بھی نہ چلا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ چاند کی ٹھنڈی اور پُرسکون کرنیں اس کے وجود میں اُتر رہی تھیں۔ تاریخ خود کو دہراتے دہراتے آگہی کے بند دروازے کھول رہی تھی۔ ندامت، پچھتاوا، دکھ، کسک، شرمندگی اور نہ جانے کتنی کیفیات تھیں جو ایک ساتھ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھیں۔

دیمو دادا صبح اُٹھا تو بہت خاموش سا تھا۔ وہ نعیم کو لے کر اس کے اسکول پہنچا تو اس کی آمد
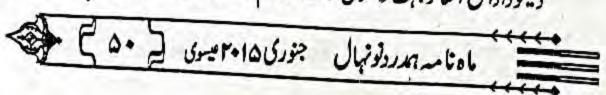
کی اطلاع ایک لمحے میں سارے اسکول میں پھیل گئی۔ انچارج صاحب نے سر مراد کو منع کیا کہ وہ دیمو دادا کے سامنے نہ جائیں، وہ جا کر معافی تلافی کر لیتے ہیں، مگر سر مراد نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اسٹاف روم سے باہر آ گئے۔

اسکول کے صحن میں سر مراد دیمو دادا کے سامنے کھڑے تھے۔ نچلی اور اوپری منزل سے بچے یہ منظر دیکھنے کے لیے اُمڈ آئے تھے۔ سب کے دل دھڑک رہے تھے۔ ہر دل عزیز سر مراد کی عزت اور احترام آج داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ سب پریشان تھے، مگر ان کے لبوں پر پُر سکون مسکراہٹ تھی۔ دیمو دادا نے سر مراد سے ہاتھ ملایا اور ٹھیرے ٹھیرے لہجے میں سوال کیا: ''ماسٹر صاحب! آپ نے اسے کیوں مارا تھا؟''

سر مراد نے سخت نظروں سے نعیم کو گھورا تو وہ گڑ بڑا گیا۔ وہ دیمو دادا کی طرف مڑے اور بولے: ''اس سوال کا جواب آپ کو اپنے بیٹے سے پوچھنا چاہیے۔''

دیمو دادا، نعیم کی طرف مڑا تو وہ جلدی سے بولا: ''ابا! میں نے سوال یاد نہیں کیے تھے۔''

اچانک دیمو دادا نے نعیم کو بالوں سے پکڑا اور اسے زوردار تھپڑ مارنے کی کوشش کی، مگر سر مراد نے ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: ''رک جائیں، آپ میرے سامنے میرے شاگرد کو نہیں مار سکتے۔''

دیمو دادا نے نعیم کو بالوں سے پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ سر مراد نے اسے چھڑایا۔ دیمو دادا غصے سے چلّایا: ''میں اسے ندیم صاحب بنانا چاہتا ہوں اور یہ نیمو دادا بننا چاہتا ہے، میری طرف سے کھلی اجازت ہے، آپ اسے مار مار کر اس کی ہڈی پسلی ایک کر دیں اور اگر یہ آیندہ اپنے استاد کی شکایت لے کر آیا تو میں خود اس کا بُرا حال کر دوں گا۔''

سر مراد کے اشارے پر نعیم اپنی جماعت کی طرف بڑھا تو دیمو دادا نے لپک کر اس کی گدی پر ایک ہاتھ مار ہی دیا۔ یہ سب کچھ چند لمحوں میں ہو گیا۔
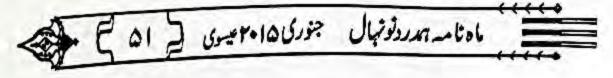
دیمو دادا نے سر مراد کو سینے سے لگایا اور معافی مانگ کر چلا گیا۔ نعیم شرمندگی اور دکھ کے عالم میں اپنی نشست پر بیٹھا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کا بھرم ختم ہو گیا۔ اب وہ سب کی نظروں میں گر گیا ہے اور وہ اس کا مذاق اُڑائیں گے، مگر آج جو کچھ ہوا، وہ سب کے لیے ایک مختلف معاملہ تھا۔ سب کی ہمدردیاں نعیم کے ساتھ تھیں اور وہ اس کی دل جوئی کے لیے جمع تھے۔ سب کی نظروں میں اس کے لیے ہمدردی اور محبت تھی۔ سر مراد کلاس میں داخل ہوئے تو نعیم شرمندگی کی وجہ سے ان کی طرف دیکھ بھی نہیں پایا۔ وہ انتظار کر رہا تھا کہ آج سر مراد اسے خوب ذلیل کریں گے، کیوں کہ ابا نے انھیں کھلی چھوٹ جو دے دی تھی۔

سر مراد اس کے نزدیک آئے۔ اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا اور نرم لہجے میں بولے: ''میری کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے، میری نظر میں میرے سارے بچے برابر ہیں۔ میں کسی کے ساتھ امتیاز نہیں برت سکتا۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے، مگر میں غلط فیصلے کر کے تمھاری زندگی خراب نہیں کر سکتا۔ یاد رکھنا! با ادب با نصیب، بے ادب بے نصیب۔''

نعیم کی سوچ کے برعکس اس کا کسی نے مذاق نہیں اُڑایا، نہ کسی نے کچھ کہا، سب کچھ معمول کے مطابق تھا، بلکہ آج نعیم کے کئی نئے دوست بھی بنے تھے۔

رات کو کھانے پر دیمو دادا نے نعیم کو رُوٹھا رُوٹھا پایا تو اسے پیار کرتے ہوئے بولا: ''میرے بیٹے! اگر آج میں تمھارے استاد کی بے عزتی کر دیتا تو تم اپنے دوستوں کو منھ دکھانے کے قابل نہ رہتے، اسکول نہ جا سکتے اور آخر ایک بُرے آدمی بن جاتے اور یہ میں نہیں چاہتا تھا۔ میں نے تمھیں بچا لیا ہے۔ تمھاری تعلیم بچ گئی، تمھارا مستقبل محفوظ ہو گیا۔''

پھر دیمو دادا نے اپنے بارے میں وہ سب کچھ بتا دیا جو وہ کسی کو نہیں بتاتا تھا۔ اب نعیم کی آنکھیں بھی کھل گئیں اور اس نے فیصلہ کیا کہ کل وہ اسکول جا کر سر مراد سے معافی مانگے گا اور

آئندہ ان کو شکایت کا موقع نہیں دے گا۔

نعیم کی امی نے یہ سب کچھ دیکھا تو اس نے شوہر سے اپنا بار بار کیا ہوا مطالبہ دہرایا، یعنی باعزت رزقِ حلال۔

دیمو دادا کی زندگی میں تبدیلی آ گئی تھی۔ آج اسے اپنی بیوی کے اس مطالبے پر غصہ نہیں آیا۔ وہ مسکرایا۔ اسی لمحے باہر سے کسی نے آواز لگائی: ''ندیم بھائی؟''

دیمو دادا نے حیرت سے اپنے بیٹے اور بیوی کی طرف دیکھا اور بولا: ''ایک عرصے کے بعد کسی نے پکارا ہے اس نام سے۔ کون ہو سکتا ہے؟''

''یہ سر مراد کی آواز ہے۔'' نعیم نے کہا اور باہر کی طرف دوڑا۔ جب وہ پلٹا تو اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ وہ نعیم کے لیے اپنے گھر سے بریانی پکوا کر لائے تھے۔

دیمو دادا نے زیرِ لب خود سے کہا: ''ندیم! کتنا اچھا لگتا ہے یہ......! آج سے اپنے لیے کسی مناسب روزگار کا بندوبست کرنا ہے۔

بیٹا اور اس کی بیوی مسکراتی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آج دیمو دادا مر گیا اور ندیم کی نئی زندگی شروع ہو گئی تھی۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۷۹ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- جنوری ۲۰۱۵ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تا کہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

قرطبہ

غلام مرتضیٰ سومرو
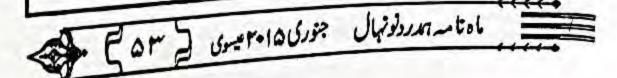
اسپین جس کو اندلس یا ہسپانیہ کہتے ہیں، براعظم یورپ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کے وسط میں شہر قرطبہ آباد ہے۔ اس شہر پر مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال تک رہی۔

بنی اُمیہ کے چھٹے خلیفہ عبدالملک کے عہدِ حکومت میں ایک مشہور سپہ سالار طارق بن زیاد نے یہ ملک فتح کیا تھا۔ جس مقام پر بہادر طارق پہلی مرتبہ اُترے تھے وہ جبل الطارق (انگریزی میں جبرالٹر) کے نام سے مشہور ہے۔ خلیفہ عبدالملک نے طارق کو اندلس کا حاکم مقرر کر دیا تھا، لیکن جب بنی اُمیہ کی سلطنت کا دور ختم ہوا اور سلطنتِ عباسیہ کا عروج ہوا تو ایک شہزادہ عبدالرحمٰن اندلس (اسپین) چلا آیا اور یہاں خودمختار حکومت قائم کی۔

عبدالرحمٰن نے یہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ سارے شہر کی مرمت کرائی۔ ایک بڑا عمدہ باغ بھی لگوایا۔ کئی طرح کے درخت اور بیج دور دراز ملکوں سے منگوا کر لگوائے، جن میں رنگ برنگے پھول اور قسم قسم کے پھل آتے تھے، جو پھل یورپ میں نہ ملتا تھا، وہ اس باغ میں موجود تھا۔ خصوصاً میوے دار درخت کثرت سے تھے۔ ایک پیڑ کھجور کا بھی تھا، جو دمشق کی یادگار سمجھا جاتا تھا۔ پانی قریب کی جھیلوں، تالابوں اور دریاؤں سے نلوں کے ذریعے سے آتا تھا۔

ایک مسجد جو مسجد الاقصیٰ کی طرز پر عبدالرحمٰن نے تعمیر کروائی تھی، نہایت خوب صورت تھی۔ اس کا نقشہ اس نے خود بنایا تھا اور مسجد کی بنیاد بھی خود رکھی تھی۔

عبدالرحمٰن ثانی کے وقت میں اس مسجد کو وہ رونق نصیب ہوئی کہ عمارت عجیب چیز سمجھی جانے لگی۔ یہ چھے سو فیٹ چوڑی تھی۔ شمال سے جنوب تک ۱۹ محرابیں اور ۱۲۹۳ ستون سنگِ مرمر کے اور ۱۹ دروازے جنوب کی جانب پیتل کے ڈھلے ہوئے لگے تھے۔ اس مسجد کا مینار ۲۴۰ فیٹ بلند تھا۔ مسجد کا منبر قیمتی لکڑی اور ہاتھی دانت کے چھتیس ہزار ٹکڑوں کا بنا ہوا تھا۔ صحن میں چار وسیع حوض تھے۔ غروبِ آفتاب کے بعد نماز کے وقت نہایت اعلا درجے کی روشنی کی جاتی تھی۔

امام کے قریب سونے کا چراغ دان روشن کیا جاتا تھا۔ صرف روشنی ہی کے کام پر تین سو آدمی مقرر تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مکانات تھے، جن میں درجِ ذیل محل بہت مشہور ہیں:

۱۔ قصرِ زہرہ، جو عبدالرحمٰن سوم نے اپنی بی بی کے واسطے بنایا تھا۔

۲۔ قصر التاج۔

۳۔ قصر الدمشق، جس کی چھت اور دیواریں نہایت نایاب جواہروں سے جڑی ہوئی تھیں۔

خاص شاہی محل بھی بہت خوب صورت تھا۔ اس کی چھت اور دیواریں سب جڑاؤ تھیں، جن پر فوارہ نصب کیا گیا تھا، جس سے پانی آتا تھا۔ وسطی کمرے میں ایک حوض بہت خوب صورت تھا، جو ہر وقت پارے سے بھرا رہتا تھا۔ جب سورج کی شعاعیں سنہرے، رو پہلے دروازوں سے گزر کر پارے کے حوض پر پڑتی تھیں تو عجیب دل فریب نظارہ حوض میں دکھائی دیتا تھا۔ اس زمانے میں عمارت کا شوق اس قدر عام ہو گیا تھا کہ ہر خاص و عام کو پُر تکلف مکان بنانے کا شوق رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سارا شہر نہایت اعلا عمارتوں سے بھرا نظر آتا تھا۔
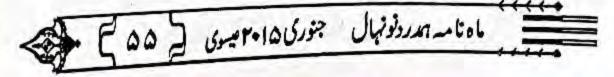
ایک مورّخ نے لکھا ہے کہ دو لاکھ مکانات تھا، سات سو مسجدیں، آٹھ شفا خانے، نوے مدارس اور نو سو حمام تھے۔ شفا خانوں میں بہت سے عالم فاضل طبیب مقرر تھے۔ غرض یہ کہ اہلِ قرطبہ علمِ طب میں یورپ پر سبقت لے گئے تھے۔ یہاں کے مدارس بھی بہت اعلا تھے اور نہایت اچھا طریقہ تعلیم دینے کا رائج تھا، اس لیے یورپ کے عیسائی بھی یہاں سے تعلیم حاصل کر کے جاتے تھے اور اپنے اپنے ملک میں بہت عالم و فاضل سمجھے جاتے تھے۔

قرطبہ کے مدرسوں میں علمِ طب کے ساتھ ساتھ علم فقہ و تفسیر قرآن کریم، علم کیمیا و طبیعیات، علمِ ریاضی (الجبرا، جیومیٹری وغیرہ)، علم ہیئت (فلکیات)، تاریخ وجغرافیہ جیسے مضامین پڑھائے جاتے تھے اور بہت سی ایجادیں اس زمانے میں مسلمانوں نے کیں، جو اب تک استعمال ہوتی ہیں، لیکن یہ افسوس کی بات ہے کہ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی ایجادیں ہیں اور بہت سی ایجادیں ایسی بھی ہیں، جن میں غیر ممالک کی اقوام نے تھوڑی یا زیادہ ترمیم کر کے اپنا نام روشن کر لیا۔

کتب خانے بھی قرطبہ میں بہت تھے۔ ایک کتب خانہ بہت اعلا پیمانے کا تھا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ یہ کتب خانہ چار لاکھ سے زیادہ کتابوں پر مشتمل تھا، جس کی کیٹلاگ (بڑی فہرست) چالیس جلدوں پر مشتمل تھی اور ان میں ۸۸۰ صفحات صرف شاعری کی کتابوں کی تفصیل سے بھرے ہوئے تھے۔ کتب خانے کے مالک حاکم کو نایاب کتابوں کے بہم پہنچانے کے ساتھ ان کی درستی اور خوب صورتی کا بھی خیال رہتا تھا۔ چناں چہ اس غرض سے اس نے نہایت نامور اور باکمال خوش نویس اور جلد ساز جمع کیے تھے۔ اس کتب خانے میں بیشتر کتابیں نہایت قیمتی ہیں۔

☆

یہ تم نے کیا کیا چھوٹو!

عبدالرؤف تاجور
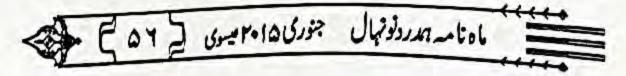
کبھی تو سوچنا یہ تم نے کیا کیا چھوٹو!
یہ تم نے طیش میں کیا گل کھلادیا چھوٹو!

وہ کوئی غیر نہیں تھی ، تمھاری باجی تھی
اسی کی پیٹھ پہ بلا جمادیا چھوٹو!

بہن پہ ہاتھ اُٹھا کر بُرا کیا تم نے
بہن تو ہوتی ہے اخلاص کی ردا چھوٹو!

بہن بھی ماں کی طرح قابلِ صد عزت ہے
یہ وہ سبق تھا جو تم نے بھلادیا چھوٹو!

ذرا سی بات پہ تم لڑنے بھڑنے لگتے ہو
یہ تم نے کیسا وتیرہ بنالیا چھوٹو!

تمھیں پتا نہیں شاید کہ خوش کلامی میں
خدا نے رکھی ہے بے شک بڑی جزا ، چھوٹو!

تمھاری تند مزاجی سے سب ہی نالاں ہیں
یہ روگ تم نے کہاں سے لگا لیا چھوٹو!

چلو اُٹھو ، گلے لگ جاؤ اپنی باجی کے
کہو کہ آج سے بالکل بدل گیا چھوٹو!

علم دریچے
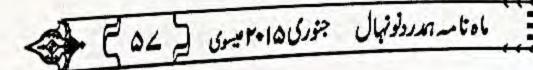
زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

مجلس کے آداب

مرسلہ : محمد طاہر قریشی، نواب شاہ

☆ مجلس کی ابتدا تلاوتِ کلامِ پاک سے ہونی چاہیے۔

☆ جہاں جگہ ملے، وہیں بیٹھ جانا چاہیے۔

☆ مجلس میں نظم وضبط کا خیال رکھنا چاہیے۔

☆ مجلس میں خاموشی سے بیٹھنا چاہیے۔

☆ نصیحت یا گفتگو توجہ سے سننی چاہیے۔

☆ مجلس میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔

☆ مجلس میں صرف موقع کے مطابق بات کرنی چاہیے۔

☆ کان میں باتیں کرنا یا آنکھوں سے اشارے کرنا بھی درست نہیں۔

نیّت

مرسلہ : سعدیہ گل محمد روشن، کراچی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا: ''یا رسول اللہؐ! میں فلاں کنویں کے پاس سے گزر رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کنویں کے پاس کھونٹا ہونا چاہیے، تاکہ لوگ مویشیوں کو باندھ سکیں۔ میں وہاں ایک کھونٹا گاڑ آیا۔''

حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''تُو نے نیک کام کیا۔''

تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! فلاں کنویں کے پاس ایک کھونٹا گڑا ہوا تھا، میں نے اسے اُکھیڑ دیا، تاکہ ٹھوکر کھا کر کوئی گر نہ جائے۔''

حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''تُو نے نیک کام کیا۔''

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ! دونوں نے متضاد کام کیا، لیکن آپ نے دونوں کو پسند کیا؟''

رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''دونوں نے یہ کام نیک نیتی سے کیا تھا۔''

کیا فائدہ

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

☆ اگر بندگی نہیں تو زندگی کا کیا فائدہ؟

☆ اگر نیت صاف نہیں تو عبادت کا کیا فائدہ؟

☆ اگر حلال نہیں تو کمائی کا کیا فائدہ؟

☆ اگر روشنی نہیں تو چراغ کا کیا فائدہ؟

☆ اگر سیرت نہیں تو صورت کا کیا فائدہ؟

☆ اگر عزت نہیں تو دولت کا کیا فائدہ؟

سنہری باتیں

مرسلہ : فاکہہ عباسی، کراچی

☆ خاموشی بھی ایک عبادت ہے۔

☆ مشکلات انسان کی ہمت کا امتحان لینے آتی ہیں۔

☆ زندگی مسلسل جدوجہد اور آگے بڑھنے کا نام ہے۔

☆ خدا کے بعد تمھارا بہترین ساتھی تمھارا اعتماد ہے۔

☆ غصے پر قابو پانا کام یابی کی دلیل ہے۔

☆ انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے غصے کو پی جانا افضل ترین جہاد ہے۔

☆ کسی کے عیب مت تلاش کرو کہیں دوسرا تمھارے عیبوں کی جستجو نہ کرے۔

☆ خیر کا ہر لفظ مومن کی میراث ہے، جہاں سے ملے، اُٹھا لے۔

قائداعظم کا فرمان

مرسلہ : اعتزاز عباسی، کراچی

"تعلیم کا مفہوم محض درسی تعلیم نہیں۔ وقت کی بہت اہم اور فوری ضرورت ہے کہ نوجوانوں کو سائنسی اور فنی علوم کی تعلیم ضرور حاصل کرنی چاہیے، تاکہ آئندہ خوش حال معاشرے کی تعمیر کر سکیں۔ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ مقابلہ ایسی دنیا سے ہے، جو زندگی کے ہر شعبے میں تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ ہمیں نہایت موزوں قسم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عزتِ نفس، وفاداری اور قوم کی بے لوث خدمت کے جذبات بھی پیدا کرنے ہوں گے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں اس خوبی سے کام کریں کہ پاکستان کا نام روشن ہو۔"

اقتباسِ تقریر (۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء)

ڈیڑھ کام

مرسلہ : تحریم خاں، نارتھ کراچی

پہلا مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر اپنا روزنامچہ (ڈائری) لکھا کرتا تھا۔ یہ روزنامچہ ''تزکِ بابری'' کے نام سے شائع ہوا۔ بابر کی کہی ہوئی باتیں بڑی ذہانت اور دانش مندی سے بھری ہوئی تھیں۔ اس کی ساری زندگی بزرگوں کے احترام میں گزری اور اس نے کبھی بزرگوں کے سامنے بے ادبی والا کوئی عمل نہیں کیا۔ بزرگوں کے سامنے نیچی نظر کر کے بیٹھتا۔

ایک بار بابر سے کسی نے پوچھا کہ زندگی میں آپ نے کتنے کام کیے۔ بابر نے جواب دیا: ''صرف ڈیڑھ کام کیا ہے۔''

پوچھنے والے نے پھر پوچھا: ''ڈیڑھ کام کا کیا مطلب ہے؟''

بابر نے جواب دیا: ''آدھا کام تو یہ ہے کہ میں نے پورے ہندستان کو فتح کر لیا اور پورا کام یہ ہے کہ ایک بار میں اپنے والد صاحب کے سامنے بیٹھا تھا۔ میری بغل میں بہت زور سے کھجلی ہوئی۔ والد صاحب کے سامنے کھجانا بدتہذیبی تھی۔ میں دو گھنٹے ان کی صحبت میں بیٹھا رہا، لیکن کھجایا بالکل نہیں۔''

آسٹریلیا

مرسلہ : نعیم اللہ، ہڈالی

آسٹریلیا کا لفظ لاطینی زبان سے لیا گیا ہے، جس کے معنی ''جنوبی علاقہ'' ہے۔ یہ دنیا کا سب سے چھوٹا براعظم ہے، جس کے کچھ جزائر بحراوقیانوس اور بحر ہند میں بھی واقع ہیں۔ انڈونیشیا، مشرقی تیمور اور نیوزی لینڈ اس سرزمین کے ہمسایہ ممالک ہیں۔ ۱۹۰۱ء میں چھے علاقوں نے باہم مل جانے کا فیصلہ کیا اور یوں ''دولت ہائے مشترکہ آسٹریلیا'' وجود میں آئی۔ یہاں جمہوری نظام قائم ہے۔ ''کنبرا'' ملک کا دارالحکومت ہے اور آبادی کم و بیش دو کروڑ دس لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ آسٹریلیا کا

کھیلوں میں خاصا مقام ہے۔ آسٹریلیا دنیا کا سب سے زیادہ کوئلا برآمد کرنے والا ملک ہے۔
یہاں ۹۲ فی صد لوگ سفید فام اور ۷ فی صد ایشیائی لوگ آباد ہیں۔ ایک فی صد دوسری قوموں کے لوگ آباد ہیں۔

قدردان

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

لائبریری میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب کے ذہن میں اچانک کوئی خیال آیا۔ وہ اپنے ساتھی سے بولے: "اخبار بھی کتنی کارآمد چیز ہے، دنیا بھر کی خبریں پڑھنے کو مل جاتی ہیں، لیکن مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ رفتہ رفتہ ٹیلے وژن، اخبار کی جگہ لیتا جا رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اخبار خریدنا بند کر دیں اور ٹی وی مکمل طور پر اخبار کی جگہ لے لے۔ اخبار کی قدر و قیمت کا اندازہ کوئی قدرداں ہی لگا سکتا ہے۔"

ان کے ساتھی نے کہا: "جناب! ٹی وی اخبارات کی جگہ نہیں لے سکتا، نہ اخبارات بند ہو سکتے ہیں۔ آپ خود ہی تو کہہ رہے ہیں کہ ان کی اہمیت کا اندازہ کوئی قدرداں ہی لگا سکتا ہے۔ اب بھلا آپ ہی دیکھیے کہ ٹی وی میں آپ تلی ہوئی مچھلی اور پکوڑے تو نہیں لپیٹ سکتے۔"

منے کی سال گرہ

شاعر : ضیاء الحسن ضیا

مرسلہ : عمیر صابر، کراچی

سال گرہ میں منے جی کی
جانوروں نے شرکت کی تھی
کوئل آئی گانا گانے
کوّا آیا برفی کھانے
گجرے لے کر مینا آئی
چڑیا چونچ میں لڈو لائی
کیک اُڑایا سب ہاتھی نے
ڈھول بجایا مرغابی نے
مل کر سب نے دھوم مچائی
سال گرہ منے کی آئی

☆☆☆

بیت بازی

ارادے جن کے پختہ ہوں، نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

شاعر : علامہ محمد اقبال　　پسند : نعیم اللہ ڈرانی

زندہ ہوں اس طرح کہ غمِ زندگی نہیں
جلتا ہوا دیا ہوں ، مگر روشنی نہیں

شاعر : بہزاد لکھنوی　　پسند : فیروز علی ، ملتان

مجھ کو نفرت سے نہیں پیار سے مصلوب کرو
میں تو شامل ہوں محبت کے گنہگاروں میں

شاعر : احمد ندیم قاسمی　　پسند : سید مازن علی ہاشمی، کورنگی

جو گزاری نہ جاسکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے

شاعر : جون ایلیا　　پسند : شائلہ ذیشان، ملیر

تازہ ہوا کے شوق میں اے ساکنانِ شہر
اتنے نہ در بناؤ کہ دیوار گر پڑے

شاعر : حبیب جالب　　پسند : محمد حبیب الرحمن، ماڈل کالونی

فرازؔ ظلم ہے اتنی خود اعتمادی بھی
کہ رات بھی تھی اندھیری، چراغ بھی نہ لیا

شاعر : فراز احمد　　پسند : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

نئی صبح پر نظر ہے، مگر آہ یہ بھی ڈر ہے
یہ سحر رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے

شاعر : شکیل بدایونی　　پسند : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

شاید میرا وجود ہی سورج تھا شہر میں
میں بجھ گیا تو کتنے گھروں میں جلے چراغ

شاعر : محسن نقوی　　پسند : صدف رانی، پنڈ دادن خان

دکھوں کے ذکر بہت دور تک گئے ہوتے
ہماری طرح جو کچھ اور دل دکھے ہوتے

شاعر : احمد ہمدانی　　پسند : مریم انصاری، اسلام آباد

عقب میں چھوڑنا پڑتا ہے کتنی کہکشاؤں کو
ستارہ اپنی قسمت کا بڑی مشکل سے ملتا ہے

شاعر : رضی عظیم آبادی　　پسند : بہادر علی حیدر بلوچ، نوشہرو فیروز

تُو صاف کیوں نہیں کہتا کہ چھوڑ جا مجھ کو
قدم قدم پہ یہ دیوار کھینچتا کیوں ہے

شاعر : میثم علی آغا　　پسند : علی حیدر لاشاری، لاکھڑا

اک تبسم کی ہے حقیقت کیا
مگر اس کی سزا بہت کچھ ہے

شاعر : صادق القادری　　پسند : منیر نواز، ناظم آباد

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے ، مگر پا نہ سکو گے

شاعر : ضیا قریشی　　پسند : مہوش فاطمہ، کراچی

چلنا تو خیر میرے مقدر کی بات تھی
تم یوں ہی ساتھ ساتھ مرے عمر بھر چلے

شاعرہ : ناصر شہزاد　　پسند : رخسانہ نسرین، لاڑکانہ

تیرھویں کرسی

وقار محسن

بیگم اسرار کے وہمی مزاج کی وجہ سے پورا خاندان پریشان تھا۔ کوا دیوار پر کائیں کائیں کرے، کالی بلی راستہ کاٹ جائے، منگل کو کسی کام کا آغاز کرنا ہو، کسی ایسے ہندسے کا انتخاب جو دو سے تقسیم نہ ہوتا ہو۔ یہ سب توہمات ان کے ذہن پر اس طرح سوار رہتے، جیسے زندگی اور موت کا مسئلہ ہو۔ اسرار صاحب کی ترقی کے سلسلے میں آج دعوت کا انتظام ہو رہا تھا۔ اس دوران ان کی اسی کمزوری کی وجہ سے مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا۔ جب بیگم اسرار مختلف انتظامات کا معائنہ کرنے ڈرائنگ روم میں آئیں اور کھانے کی میز کے گرد تیرہ کرسیوں کی ترتیب دیکھی تو بھڑک اُٹھیں: ''ائے ہے توبہ توبہ، یہ تین تیرہ کا ہندسہ بڑا منحوس ہوتا ہے۔ کس نے تیرہ کرسیاں لگوائی ہیں۔''

اسرار صاحب نے کہا: ''ارے بیگم! آپ بھی کیسی احمقانہ باتیں کرتی ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اب لوگوں کو مدعو کیا جا چکا ہے۔''

بیگم زور دے کر بولیں: ''یہ نہیں ہو سکتا، بدشگونی ہے۔ آپ ایسا کریں کہ مسٹر اور مسز احمد حسین اور ان کی بیٹی کو بھی مدعو کر لیں، اس طرح تعداد سولہ ہو جائے گی، حالانکہ وقت کے وقت دعوت دینا بداخلاقی ہے۔''

پھر بیگم اسرار نے فون نمبر ملایا۔ رابطہ ہونے پر وہ بولیں: ''مسز حسین! کیا حال ہیں آپ کے؟ آج آپ کو کئی بار فون ملانے کی کوشش کی، لیکن بات نہ ہو سکی۔ دراصل آج اسرار صاحب کی ترقی کے سلسلے میں رات کے کھانے کا انتظام کیا ہے۔ پلیز آپ اور احمد

بھائی ضرور آئیں اور روشن بیٹی کو بھی لائیں۔"
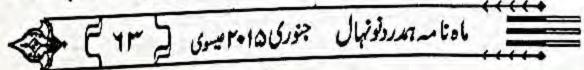
ادھر سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے بابا رحیم کو ہدایت کی کہ کھانے کی میز پر تین کرسیوں کا اضافہ کر دیں۔ ابھی کرسیاں نہیں لگائی گئی تھیں کہ فون کی گھنٹی بجی۔ بیگم اسرار نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے ریسیور اُٹھایا: "کون؟ رشیدہ آپا۔ خیریت؟ کیا کہا؟ نفیس بھائی کو بخار ہے اور سہیل کا میچ ہے۔ تو پھر آپ تینوں نہیں آسکیں گے؟"

فون رکھ کر وہ سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔ پھر وہی کمبخت ۱۳ کا منحوس ہندسہ۔ وہ بڑبڑا رہی تھیں۔ لوگ بھی کس قدر غیر ذمہ دار ہیں۔ وقت کے وقت معذرت کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے میں سسرالی خاندان والوں کو بلانے سے گھبراتی ہوں۔

اسی دوران ان کا بڑا بیٹا ہاتھ میں ریکٹ گھماتا ہوا آیا اور کہا: "ارے امی! مجھے شام کو کلب جانا ہے۔ میں شاید ڈنر میں شریک نہ ہو پاؤں۔ آپ ایک کرسی کم کروا دیں۔ بارہ کا ہندسہ تو منحوس نہیں ہے نا؟"

کھانے کی میز سے ایک کرسی ہٹواتے ہوئے انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسی دوران پڑوس سے بیگم رفیق پرس گھماتی ہوئی تشریف لائیں اور کھانے کی میز کو آراستہ دیکھ کر انھوں نے تقریب کے بارے میں معلوم کیا تو بیگم اسرار نے تکلفاً کہا: "ارے کیا آپ کا فون خراب ہے؟ میں صبح سے فون کر رہی ہوں آپ کو دعوت دینے کے لیے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی تقریب میں آپ کو مدعو نہ کیا جائے۔"

بیگم رفیق بے تکلفی سے بولیں: "ارے کوئی بات نہیں۔ اتنے قریبی تعلقات میں رسمی دعوت نامے کی کیا اہمیت ہے۔ رفیق تو آج لاہور گئے ہیں، لیکن میں ضرور آؤں گی۔"
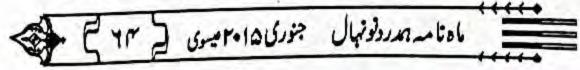
بیگم رفیق کے جانے کے بعد بیگم اسرار غصے سے بال نوچنے لگیں۔ یعنی پھر کمبخت یہ ۱۳ کا ہندسہ۔ وہ جھنجلا کر اسرار صاحب سے مخاطب ہوئیں، جو اطمینان سے اخبار پڑھ رہے تھے اور بیگم صاحبہ کی حالت پر مسکرا رہے تھے۔

''ارے آپ آرام سے اخبار پڑھ رہے ہیں۔ اب کیا حل ہوگا اس مسئلہ کا۔''

''بھئی میرا خیال ہے کہ علی اکبر ڈرائیور سے کہہ دینا کہ شام کو وہ ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہن کر آ جائے۔ اس طرح چودہ لوگ ہو جائیں گے۔''

بیگم کو یہ مشورہ پسند نہیں آیا کہ ایک ملازم کو اپنے ساتھ کھانے کی میز پر بٹھایا جائے۔ پھر بھی، کیوں کہ مجبوری تھی۔ اکبر علی کو کھانے کے آداب سمجھائے گئے اور تاکید کر دی کہ شام کو معقول کپڑے پہن کر آ جائے۔ رحیم چاچا نے تھکے تھکے قدموں سے چل کر ایک کرسی کا اضافہ کر دیا۔

رات کو آٹھ بجے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ کچھ ہی دیر بعد علی اکبر سرخ پھولوں والی چمک دار شیروانی پہنے، آنکھوں میں کاجل لگائے، تیل میں بھیگے بالوں کا چاند ماتھے پر بنائے تشریف لائے۔ لان میں بیٹھے لوگوں کو جھک کر فرشی سلام کیا۔ ان کو دیکھ کر بیگم اسرار کے

چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اس سے پہلے وہ لوگوں کے درمیان رونق افروز ہوتے، اسرار صاحب نے ان کو خونخوار نظروں سے گھورا اور آنکھ کے اشارہ سے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ اب پھر ۱۳ لوگ رہ گئے تھے۔ اب وقت نہیں تھا اس لیے مجبوراً کھانا لگا دیا گیا۔

کھانے کی میز کے اس چکر میں رحمت بابا اتنا اُلجھ گئے تھے کہ ان کو یاد ہی نہیں رہا اور انھوں نے بریانی میں نمک دوبارہ ڈال دیا۔

کھانا شروع ہوا۔ بیگم اسرار نے شیخی بگھارتے ہوئے بریانی کی قاب مرزا رئیس
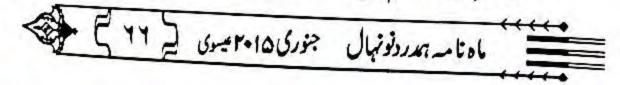
بیگ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ''بھائی جان! یہ نوش فرمائیں۔ فیصل آباد سے بطور خاص چاول منگوائے ہیں۔ بکرا بھی گھر پر کٹوایا۔ صرف بریانی پر پانچ ہزار خرچ آیا ہے۔''

امجد بھائی نے ابھی بریانی چکھی ہی تھی۔ بیگم اسرار کی بات سن کر مسکرا کر بولے: ''بھابھی! درست فرما رہی ہیں۔ یقیناً پانچ ہزار خرچ ہوئے ہوں گے۔ دو ہزار کا تو نمک ہی پڑ گیا ہو گا۔''

یہ سن کر اسرار صاحب نے بھی بریانی چکھی اور ان کا سر ندامت سے جھک گیا۔

مہمانوں کے جانے کے بعد اسرار صاحب رحیم بابا پر برس پڑے، جن کی وجہ سے سب کے سامنے ان کی سبکی ہوئی، لیکن بیگم اسرار کو اب بھی یقین تھا کہ یہ سب ۱۳ کے منحوس ہندسے کی وجہ سے ہوا۔ ☆

ہمدرد نونہال اب فیس بک پیج پر بھی

ہمدرد نونہال تمھارا پسندیدہ رسالہ ہے، اس لیے کہ اس میں دل چسپ کہانیاں، معلوماتی مضامین اور بہت سی مزے دار باتیں ہوتی ہیں۔ پورا رسالہ پڑھے بغیر ہاتھ سے رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ شہید حکیم محمد سعید نے اس ماہ نامے کی بنیاد رکھی اور جناب مسعود احمد برکاتی نے اس کی آبیاری کی۔ ہمدرد نونہال ایک اعلا معیاری رسالہ ہے اور اس کا معیار گزشتہ ۶۲ برس سے لکھنے والوں نے اپنی کاوشوں سے قائم رکھا ہے۔

اس رسالے کو کمپیوٹر پر متعارف کرانے کے لیے

اس کا فیس بک پیج (FACE BOOK PAGE) بنایا گیا ہے۔

www.facebook.com/hamdardfoundationpakistan
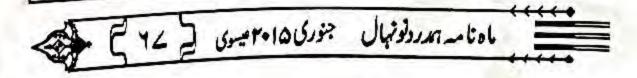
جادوئی تحفہ

احمد عدنان طارق

کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کا ایک وزیر ”کشنور“ جادو بھی جانتا تھا۔
ایک دن بادشاہ سلامت اپنے نرم و ملائم ریشمی بستر پر نیم دراز تھے۔ دو تین کنیزیں مور پنکھ سے انھیں ہوا دے رہی تھیں۔ وہ اپنی کسی سوچ میں گم تھے کہ اچانک شور سے ان کے سارے خیالات منتشر ہو گئے۔ اس نے تالی بجائی اور وزیر اعظم کو بلوا بھیجا۔ وزیر اعظم نہایت اچھے انسان اور بادشاہ سلامت کے سب سے قابل اعتبار وزیر تھے۔ انھوں نے وزیر اعظم سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے، کیوں شور مچایا جا رہا ہے؟
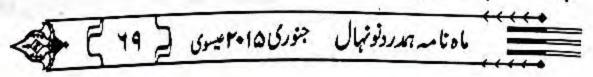
''جہاں پناہ! ایک تاجر اپنی چیزیں بیچنے کے لیے لایا ہے اور چیزیں بھی اتنی خوب صورت ہیں جو میں نے تو اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھیں۔''

''تو پھر اسے فوراً میرے سامنے پیش کیا جائے۔'' بادشاہ نے حکم دیا تو فوراً تاجر کو بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا۔ وہ ایک سکڑی ہوئی آنکھوں والا، چھوٹے قد کا شخص تھا۔ جس کے چہرے پر داڑھی تھی، وہ جتنا بدصورت تھا، اس کے پاس اتنی ہی خوب صورت چیزیں تھیں۔ تاجر نے بادشاہ کو جھک کر سلام کیا۔

تاجر کے پاس زمرد اور یاقوت جڑے ہوئے ہار تھے۔ ہیرے کی انگوٹھیاں اور جڑاؤ کڑے تھے۔ اس کے علاوہ ہاتھی دانت سے بنے ہوئے خنجر اور بہت سی چیزیں تھیں۔ بادشاہ نے تاجر سے کئی چیزیں خریدیں اور قریب تھا کہ وہ انعام واکرام لے کر دربار سے رخصت ہوتا کہ بادشاہ نے اسے رکنے کا حکم دیا: ''تم کچھ بھول رہے ہو۔ تم نے مجھے نہیں بتایا کہ اس چھوٹے سے ڈبے میں کیا ہے؟ بادشاہ سلامت اسے اشارہ کرتے ہوئے بتا رہے تھے، جو غلطی سے فرش پر گر گیا تھا۔
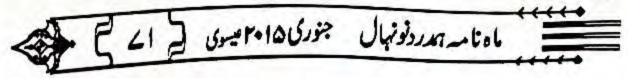
تاجر نے بادشاہ سلامت سے اس گستاخی کی معافی مانگی اور وضاحت کی کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی یاداشت خراب ہے، تبھی تو وہ اتنی فضول چیز بادشاہ سلامت کے دربار میں لے آیا۔ اس نے بتایا کہ یہ ڈبا اسے بازار میں پڑا ملا تھا۔ بادشاہ سلامت نے ڈبا ہاتھ میں لے کر اس کا بغور جائزہ لیا اور بولے: ''یہ کسی نے بہت ہوشیاری سے بنایا ہے اور اس کے ڈھکن پر نقش و نگار بھی کسی کی مہارت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔''

تو پھر اس ناچیز کی طرف سے معمولی تحفہ آپ ہی قبول فرمائیں۔ میں اس کی کوئی قیمت وصول نہیں کروں گا۔ مجھے تو اس بات کی انتہائی مسرت ہے کہ آپ کو میری چیزیں پسند آئیں۔ اس ڈبے میں تھوڑا سا پاؤڈر ہے۔ اس کے پیندے میں ایک انجان زبان میں لکھی ہوئی تحریر ہے۔ جسے میں نہیں پڑھ سکا۔

بادشاہ سلامت نے ڈبا اس سے لے کر رکھ لیا اور تاجر سلام کر کے روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد بادشاہ سلامت نے ڈبا کھولا۔ ڈبے کے اندر سبز رنگ کا ایک سفوف تھا۔ جس سے نکلنے والی تیز بو دماغ پر چڑھ رہی تھی۔ واقعی پیندے پر کچھ لکھا ہوا تھا، جو بادشاہ سلامت اور وزیر اعظم بہت کوشش کے باوجود پڑھ نہ سکے۔ بادشاہ سلامت نے وزیر اعظم کو حکم دیا کہ کسی بڑے عالم کو بُلایا جائے جو اس تحریر کو پڑھ سکے۔ پورے ملک سے بہت سے علما دربار میں آئے، جنھیں مختلف زبانوں پر عبور تھا۔ سب لوگ غور و خوض کرتے، اپنے سر اور داڑھیوں کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے رہے۔ آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ زبان بالکل اجنبی ہے۔ آخر ایک بزرگ عالم نے تحریر کا ترجمہ کر کے بادشاہ سلامت کو بتایا: ''کہ جو کوئی بھی چاہتا ہے کہ وہ دنیا کے کسی بھی جان دار کی بولی سمجھے اور جب چاہے خود کو کسی بھی روپ میں تبدیل کر لے تو ضروری ہے کہ وہ چٹکی بھر سفوف سونگھے، پھر تین دفعہ مشرق کی طرف منھ کر کے سر جھکائے اور اونچی آواز میں پکارے۔

متابور...... متابور...... متابور...... اور جب وہ دوبارہ اپنی اصلی صورت اختیار کرنا چاہے تو وہ مغرب کی طرف منھ کر کے تین دفعہ سر جھکائے اور پھر یہی لفظ دہرائے، لیکن اگر کوئی شخص اسے پورے عمل کے دوران ہنسا تو وہ جادو کا لفظ بھول جائے گا اور اسی جانور کے روپ میں رہے گا۔"

یہ ماجرا سن کر بادشاہ سلامت نے تمام عالموں سے حلف لیا کہ وہ اس تحریر کا ذکر کسی سے نہیں کریں گے۔ بادشاہ نے انھیں انعام واکرام سے نوازا اور پھر دربار سے رخصت کیا، پھر ہنستے ہنستے وزیر اعظم سے کہنے لگے: "یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ تاجر یہ تحریر نہیں پڑھ سکا، کیوں کہ یہ ڈبا انمول ہے۔ کل صبح سویرے ہم دونوں اس سفوف کو آزمائیں گے۔ آپ تیار رہیے گا۔"

اگلی صبح طلوع آفتاب کے وقت بادشاہ سلامت وزیر اعظم کے ساتھ محل سے روانہ ہوئے۔ باتیں کرتے کرتے وہ ایک جھیل کے کنارے پہنچے۔ انھوں نے دیکھا جھیل کے کنارے ایک سارس کیڑے مکوڑے ڈھونڈ رہا تھا۔ چلتے چلتے کبھی کبھار وہ ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جاتا۔

"آہا، یہ سارس اچھا پرندہ ہے۔" بادشاہ سلامت نے بے ساختہ کہا۔

"یہ اپنی بڑی سے چونچ کھول کر اونچی آواز میں کیا بولتا ہے، پتا لگانا چاہیے کہ وہ کیا کہتا ہے؟" وزیر اعظم نے بادشاہ سے کہا۔

بادشاہ نے کہا: "ایک اور سارس اس سارس کے قریب آ رہا ہے۔ آؤ ہم سارسوں کا روپ اختیار کرتے ہیں اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں؟ لیکن یاد رکھنا اب بھولے سے بھی نہیں ہنسنا۔"

پھر اسی لمحے انھوں چٹکی بھر سفوف کو سونگھا اور سارس بننے کی خواہش کی اور مشرق کی طرف منھ کر کے جھکے اور تین دفعہ "متابور" کہا۔ پلک جھپکتے میں وہ دونوں سارس بن چکے تھے۔ لمبی گردنیں، لمبی چونچیں اور سب لمبی سرخ سرخ ٹانگیں اور سیاہ چمکیلے پَر جو سورج کی روشنی میں چمک
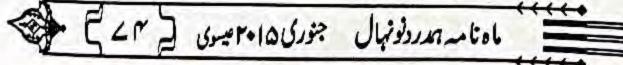
رہے تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھا، لیکن پھر سارسوں کی آواز سننے لگے۔ وہ دونوں سارس اب اکھٹے تھے اور ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے۔ وہ شاید میاں بیوی تھے۔ بیوی کو گھریلو کام نہ کرنے پر میاں سے ڈانٹ پڑ رہی تھی۔ ان کی مزے مزے کی باتیں سن کر بادشاہ اور وزیر دونوں کو بہت مزہ آیا، بلکہ بادشاہ کا تو ہنس ہنس کر بُرا حال تھا۔ وزیرِ اعظم نے اسے ہنسنے سے روکا اور یاد دلایا کہ جہاں پناہ ہمیں ہنسنا نہیں چاہیے تھا۔

بادشاہ نے کہا: ''ہاں، واقعی مجھے یاد نہیں رہا وہ کیا لفظ تھا، جسے بولنے سے ہم واپس انسان بن سکتے ہیں۔''

وزیر بھی وہ لفظ یکسر بھول چکا تھا۔ بادشاہ نے بھی وہ لفظ یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ لفظ میم سے شروع ہوتا تھا۔ مو......مو...... کیا لفظ تھا؟ لیکن اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بادشاہ سلامت بولے: ''اللہ ہماری حفاظت کرے۔ لگتا ہے اب ساری عمر ہمیں سارس ہی رہنا پڑے گا۔'' پھر کچھ دن وہ اسی طرح سارسوں کے روپ میں جھیل کے کنارے مٹر گشت کرتے رہے۔

آخر ایک دن بادشاہ سلامت کہنے لگے کہ کسی انسان کی آواز سنے انھیں ایک مدت ہو گئی ہے، آؤ شہر کی گلیوں کے اوپر پرواز کریں۔ وہاں ہم کسی گھر کی چھت پر بھی رہ سکتے ہیں۔ وہ شہر کے اوپر پرواز کر رہے تھے تو انھوں نے شور کی آواز سنی۔ کچھ لوگ نعرہ لگا رہے تھے کہ ہمارا مرزا بادشاہ زندہ باد۔ مرزا کشنور وزیر کا بیٹا تھا۔

دونوں کو اُڑتے اُڑتے شام ہو گئی۔ بادشاہ نے کہا: ''نیچے ایک عمارت کے قریب کچھ باغات دکھائی دے رہے ہیں جو ہمارے لیے پناہ گاہ کا کام کر سکتے ہیں۔''

وہ اپنے پَر پھڑ پھڑاتے ہوئے ابھی عمارت میں اُترے ہی تھے کہ اچانک کسی کے رونے کی آواز سنائی دی۔ لگتا ہے کوئی رو رہا ہے۔ بادشاہ نے کہا: ''مجھے تو یہ کسی اُلو کی آواز لگتی ہے اور
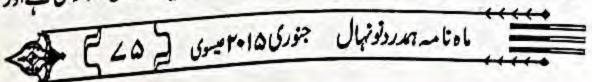
واقعی بادشاہ سلامت کی بات درست تھی۔

وہ ایک مادہ اُلّو تھی۔ اس نے دو سارس اپنی طرف آتے دیکھے۔ تو انھیں خوش آمدید کہا۔ پھر ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ اور اتنی ویران جگہ میں کیا کر رہے ہیں؟ بادشاہ اور وزیرِ اعظم جانوروں کی زبان سمجھتے تھے۔ مادہ الو نے انھیں بتایا کہ وہ کشنور جادوگر کے جادو کی شکار ہے۔ پھر مادہ الو نے انھیں اپنی غم زدہ کہانی سنائی۔ اس نے بتایا کہ آج کشنور اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں جشن منانے آیا ہوا ہے۔ وہ اور اس کے دوست اس ویرانے میں آ کر ایک دوسرے کو اپنے جادو کے کارنامے سنانے آئے ہیں۔ ہمیں یہاں چھپ کر ان کی باتیں سننی چاہییں۔ انھوں نے موٹے تنے والے ایک درخت کی آڑ سے جھانکا تو کشنور کو اپنے دوستوں کے ساتھ کھاتے پیتے اور ہنسی مذاق کرتے دیکھا۔ بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کشنور کے ساتھ وہ تاجر بھی بڑے مزے سے دعوت اُڑا رہا تھا، جس نے بادشاہ کو سبز سفوف والا ڈبا دیا تھا۔ اس نے یہ بات سرگوشی سے وزیرِ اعظم کو بھی بتائی۔ اب حقیقت ان دونوں پر واضح ہو چکی تھی کہ یہ سب کشنور کی چال تھی۔

کسی بات پر وہ سب اونچی آواز میں ہنسنے لگے۔ پھر ایک آواز گونجی کوئی پوچھ رہا تھا: ”مجھے وہ لفظ تو بتاؤ جو تم نے بادشاہ سلامت کو بتایا تھا جس سے وہ دوبارہ انسانی صورت میں واپس آ سکتے تھے۔“

”وہ ایک جادوئی لفظ تھا۔“ کشنور نے ہنستے ہوئے کہا: ”اور یہ وہ زبان ہے جسے نہ بادشاہ جانتا تھا اور نہ وزیرِ اعظم کو معلوم تھا۔ وہ لفظ تھا: ”متابور“

یہ سنتے ہی دونوں سارس واپس روانہ ہوئے۔ مادہ الو بھی ساتھ تھی۔

جب وہ کھلی ہوا میں پہنچے تو بادشاہ مڑا اور مادہ الو سے کہنے لگا: ”اے مہربان! تم ہماری مدد نہ کرتیں تو ہم ساری عمر سارس ہی رہتے۔“
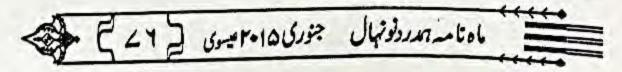
تینوں نے مغرب کی طرف تین دفعہ جھک کر متابور...... متابور...... متابور کہا اور پلک جھپکتے میں وہ انسان بن گئے۔ مادہ الو ایک انتہائی خوب صورت لڑکی کا روپ اختیار کر چکی تھی وہ دراصل بادشاہ کی ایک خادمہ تھی۔ لہٰذا بادشاہ سلامت، وزیر اعظم اور خادمہ واپس محل میں لوٹے، جہاں ان کو دیکھ کر لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انھوں نے ان کا شان دار استقبال کیا، کیوں کہ کشنور کا بیٹا بادشاہ بن کر ان پر ظلم ڈھا رہا تھا۔ بادشاہ سلامت نے فوجیوں کا ایک دستہ بھجوا دیا تا کہ وہ کشنور اور اس کے بیٹے مرزا کو گرفتار کر کے لائے۔ دونوں باپ بیٹے کھا پی کر سو رہے تھے، اس لیے آرام سے گرفتار کر لیے گئے۔ بادشاہ اور رعایا نے سکون کا سانس لیا اور ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔ ☆

انعامی سلسلہ ۲۲۹

معلومات افزا

سلیم فرخی
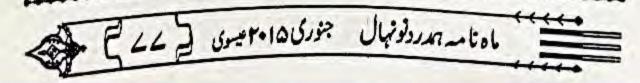
معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-جنوری ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ سعودی عرب میں عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک مقام ہے جسے .... کہتے ہیں۔ (المعلیٰ ۔ مزدلفہ ۔ جبل الرحمۃ)

۲۔ قرآن مجید میں .... کو ''روح الامین'' کا لقب دیا گیا ہے۔ (حضرت جبریلؑ ۔ حضرت اسرائیلؑ ۔ حضرت عزرائیلؑ)

۳۔ .... پاکستان کے گورنر جنرل بھی رہے اور وزیر اعظم بھی۔ (خواجہ ناظم الدین ۔ ملک غلام محمد ۔ جنرل اسکندر مرزا)

۴۔ نوبیل انعام یافتہ پاکستانی سائنس داں ڈاکٹر عبدالسلام ضلع .... میں پیدا ہوئے تھے۔ (جھنگ ۔ سرگودھا ۔ اٹک)

۵۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی پیدائش ۲۷ صفر .... کو ہوئی تھی۔ (۶۳۶ھ ۔ ۶۸۰ھ ۔ ۷۲۵ھ)

۶۔ شطرنج کے کھیل میں ایک کھلاڑی کے پاس .... پیادے ہوتے ہیں۔ (سات ۔ آٹھ ۔ نو)

۷۔ ۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۵ء تک ہندستان پر .... خاندان کی حکمرانی رہی۔ (سوری ۔ لودھی ۔ تغلق)

۸۔ ''بخارسٹ'' .... کا دارالحکومت ہے۔ (رومانیہ ۔ مقدونیہ ۔ موریطانیہ)

۹۔ رقبے کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا براعظم .... ہے۔ (افریقا ۔ یورپ ۔ ایشیا)

۱۰۔ پہلی اور دوسری رات کے چاند کو عربی زبان میں .... کہتے ہیں۔ (قمر ۔ بدر ۔ ہلال)

۱۱۔ آپ کے دادا کے اکلوتے بیٹے آپ کے .... ہیں۔ (تایا ۔ چچا ۔ والد)

۱۲۔ ''CARROT'' انگریزی زبان میں .... کو کہتے ہیں۔ (چقندر ۔ لوبیا ۔ گاجر)
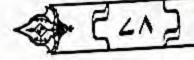
۱۳۔ رومن ہندسوں میں ۱۹ کے عدد کو انگریزی کے حروف .... سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ (XLX- LXX- XIX)

۱۴۔ مشہور شاعر .... کا اصل نام شیخ نجم الدین عرف شاہ مبارک تھا۔ (آرزو ۔ آبرو ۔ درد)

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ: ''اندھا بانٹے .... ہر پھر کر اپنوں ہی کو دے۔'' (جلیبیاں ۔ ریوڑیاں ۔ پکوڑیاں)

۱۶۔ مومن خاں مومن کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے   ورنہ .... میں کیا نہیں ہوتا   (جہاں ۔ زندگی ۔ دنیا)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۲۹ (جنوری ۲۰۱۵ء)

نام : ....

پتا : ....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-جنوری ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام بہت صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (جنوری ۲۰۱۵ء)

عنوان : ....

نام : ....

پتا : ....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ -جنوری ۲۰۱۵ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

نونہال بک کلب

کے ممبر بنیں اور اپنی ذاتی لائبریری بنائیں

بس ایک سادہ کاغذ پر اپنا نام، پورا پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں بھیج دیں

اور نونہال بک کلب کے ممبر بن جائیں۔

ممبر بننے کی کوئی فیس نہیں ہے

ہم آپ کو ممبر بنالیں گے اور ممبر شپ کارڈ اور ہمدرد فاؤنڈیشن کی شائع کردہ کتابوں کی فہرست بھیج دیں گے۔

ممبر شپ کارڈ کے حوالے سے آپ نونہال ادب کی کتابوں کی خریداری پر

۲۵ فی صد رعایت حاصل کر سکتے ہیں۔

جو کتابیں منگوانی ہوں، ان کے نام، اپنا پورا صاف پتا اور ممبر شپ کارڈ نمبر لکھ کر بھیجیں اور

رجسٹری فیس کی رقم اور کتابوں کی قیمت منی آرڈر کے ذریعے سے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی کے پتے پر بھیج دیں۔

آپ کے پتے پر ہم کتابیں بھیج دیں گے۔

سو روپے کی کتابیں منگوانے پر رجسٹری فیس ہم برداشت کریں گے

ان کتابوں سے لائبریری بنائیں، کتابیں خود بھی پڑھیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی پڑھوائیں۔

علم کی روشنی پھیلائیں

☆ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ نومبر ۲۰۱۴ء کے بارے میں ہیں

* نومبر کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ ہنسی گھر پڑھنے میں مجھے بہت مزہ آیا۔ عظیم قربانی اور کہانی ہیروں کا راز بہت عمدہ تھیں۔ باقی بھی کچھ کم نہیں تھیں۔ بلاعنوان کہانی تو شمارے کی خاص پہچان ہے۔ ہر شمارے پر بہت محنت کی جاتی ہے اور ہر شمارہ پہلے سے بڑھ چڑھ کر آتا ہے۔ نظموں میں ''نصیحت'' بہت عمدہ تھی۔ **محمد جہانگیر جوئیہ، کراچی۔**

* بلاعنوان کہانی بہت ہی عجیب تھی، لیکن دل چسپ تھی۔ مجھے سرورق پر تصویر چھپوانے کے لیے کیا کرنا ہوگا۔ میرے پاس اپنی ایک سال کی تصویر موجود ہے۔ **اسامہ ظفر راجا، سرائے عالمگیر، جہلم۔**

تصویر دیکھ کر ہی فیصلہ ہو سکتا ہے۔

* نومبر کا پیارا سا شمارہ پڑھا۔ جاگو جگاؤ کی نصیحت آموز باتیں، علامہ اقبال اور ان کے استاد، خواب کی تعبیر اور ملالہ یوسف زئی کی باتیں بہت اچھی لگیں۔ **عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔**

* نومبر کے شمارے میں کہانیاں خوشی کے پھول، ہیروں کا راز اور محنت کی لکیر بہت اچھی لگیں۔ نظموں میں ''ہم فیل ہوگئے'' اور ''دل کی آواز'' بہت پسند آئیں۔ **محمد شایان اسر خان، کراچی۔**

* نومبر کے شمارے میں ساری کہانیاں اچھی تھیں۔ ہیروں کا راز (وقار محسن) اور بلاعنوان کہانی (شمیم نوید) تو بہت ہی زیادہ اچھی تھیں۔ **مقدس غوری، کراچی۔**

* انکل! میں نے دو دفعہ نونہال بک کلب کے لیے اپنا نام پتا وغیرہ بھیجا ہے، مگر آپ نے ابھی تک کارڈ نہیں بھیجا۔ **حافظ مصعب سعید، جامشورو۔**

آپ کا بک کلب کارڈ یکم دسمبر ۲۰۱۴ء کو پوسٹ کر دیا گیا ہے، جلد مل جائے گا۔

* نومبر کا شمارہ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔ سرورق پر ہنستی کھلکھلاتی بچی بہت اچھی لگی۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں، خاص طور پر خواب کی تاثیر، فلسفی چاچا، خوشی کے پھول اور محنت کی لکیر۔ مضمون اقبال اور ان کے استاد پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ استاد کے لیے ہر ایک کے دل میں عزت اور احترام ہونا چاہیے۔ مولا بخش کے بارے میں پڑھنے کے بعد پتا چلا کہ پالتو جانور اپنے آقا کے کتنے وفادار ہوتے ہیں۔ مجاہد آزادی پڑھ کر بہت معلومات حاصل ہوئیں۔ **تحریم فاطمہ، حسان حلیم، عبدالحنان رحیم، انعام الرحیم، ملتان۔**

* نومبر کا شمارہ اچھا تھا، مگر اس کا معیار پہلے سے کافی حد تک کم تھا۔ ہنسی گھر کے لطیفے بہت ہی لاجواب تھے۔ بس آپ سے گزارش ہے کہ ہمدرد نونہال کو بہتر سے بہتر بنائیں تاکہ ہم اس سے فائدہ حاصل کریں۔ **سیدہ**

اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن، کراچی۔

* ''عربی زبان کے دس سبق'' جس کے مصنف ''مولانا عبدالسلام ندوی'' ہیں، منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟ **روحانہ احمد، لاہور۔**

کتاب منگوانے کے لیے ۷۵ رپے کا منی آرڈر ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی کو ارسال کر دیں۔ آپ نے خط میں پتا نہیں لکھا۔ پتا پورا اور صاف صاف ضرور لکھا کریں۔

* نومبر کے شمارے کی تمام کہانیاں دل کو بھا گئیں۔ ہیروں کا راز میں ادریس کو لالچ کی اچھی سزا ملی۔ خوشی کے پھول (جاوید بسام) میں میاں بلاقی اور فلسفی چاچا (محمد شاہد حفیظ) میں فلسفی چاچا جیسے لوگ کم ہی ملتے ہیں۔ کاش! کہ ہمارے ملک میں ان کی تعداد بڑھ جائے۔ **عائشہ محبوب، کراچی۔**

* ملالہ یوسف زئی کے بارے میں پڑھا۔ کاش ہمیں بھی اللہ تعالیٰ اتنا حوصلہ عطا فرمائے۔ نونہال ادیب بہت اچھا سلسلہ ہے۔ **ضمیر کھوسہ، کراچی۔**

* نومبر کا شمارہ ملا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات سے شروع کر کے نونہال لغت پر ختم کیا۔ روشن خیالات اور نظم ''دل کی آواز'' اچھی ہے۔ مجاہد آزادی معلوماتی مضمون تھا۔ ''عظیم قربانی'' محرم الحرام کی مناسبت سے اچھا اور معلوماتی مضمون تھا، جو دل پر اثر کر گیا۔ کہانیوں میں ہیروں کا راز، لڑکا ہمت والا، محنت کی لکیر، خوشی کے پھول، بلاعنوان اچھی تھیں اور خاص طور پر فلسفی چاچا تو بہت زبردست کہانی تھی۔ اقبال اور ان کے استاد بہت خوب صورت معلوماتی مضمون تھا۔ اس ماہ علم دریچے بہت ہی خوب صورت گلدستہ تھا۔ مولا بخش کے بارے میں پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آیئے مصوری سیکھیں، اچھا لگا۔ نونہال ادیب میں تمام لکھنے والے نونہالوں کی کوشش اچھی رہی۔ دفاع وطن اور تعلیم، ہمدرد نونہال اسمبلی کا خوب صورت موضوع تھا۔ **آمنہ، عائشہ، سعیہ، کراچی۔**

* نومبر کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ خوشی کے پھول اور ہیروں کا راز سب سے اچھی کہانیاں لگیں۔ **عروج رانا، پٹیالہ دوست محمد۔**

* سب کہانیاں بہت ہی باکمال تھیں۔ خوشی کے پھول اور ہیروں کا راز سب سے اچھی کہانیاں تھیں۔ مجاہد آزادی میں انکل مسعود احمد برکاتی نے ہمیں مولانا محمد علی جوہر کی زندگی کی بہت دل چسپ باتیں بتائیں۔ مولا بخش کا قصہ پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ روشن خیالات میں ہمیں بہت عمدہ عمدہ نصیحتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ لڑکا ہمت والا بھی بہت اچھی کہانی تھی۔ البتہ بلاعنوان کہانی کچھ مشکل تھی۔ **عائشہ محمد خالد قریشی، اسماء محمد خالد قریشی، سکھر۔**

* نومبر کا شمارہ دل چسپ تھا۔ فلسفی چاچا، لڑکا ہمت والا اور خوشی کے پھول وغیرہ دل چسپ کہانیاں تھیں۔ ''عظیم قربانی'' پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انکل! بلاعنوان کہانی میں ''ٹائم مشین'' سمجھ میں نہیں

آئی کہ بھلا ماضی کی سیر کیسے ہو سکتی ہے۔ مجھے انبیاء کرام علیہ السلام کے قصے پڑھنے کا بہت شوق ہے، برائے مہربانی انبیاء کرام علیہ السلام کے قصے بھی شائع کریں۔ **رابعہ فلاور، کراچی۔**

* تمام کہانیاں پسند آئیں۔ پہلے نمبر پر ہیروں کا راز، دوسرے نمبر پر فلسفی چاچا اور خوشی کے پھول، تیسرے نمبر پر لڑکا ہمت والا تھیں۔ ہمدرد نونہال جیسا رسالہ اور کوئی نہیں۔ نونہال ادیب کی کہانیاں بھی پسند آئیں۔ ہنسی گھر کے لطیفے سپر ہٹ تھے۔ سرورق نہایت خوب صورت تھا۔ ہم فیل ہو گئے نظم بہترین تھی۔ باقی نظمیں بھی اچھی تھیں۔ نونہال مصور کی تصویریں بھی اچھی تھیں۔ **محمد شیراز انصاری، کراچی۔**

* ہر شمارے کی طرح نومبر کا شمارہ بھی اچھا لگا۔ ویسے تو پورا رسالہ ہی اے ون تھا، مگر مجھے خاص کر فلسفی چاچا (محمد شاہد حفیظ)، بلاعنوان کہانی (شمیم نوید)، ہیروں کا راز (وقار محسن) اور نظم دل کی آواز (محمد مشتاق حسین قادری) اچھی لگیں۔ مجاہد آزادی (مسعود احمد برکاتی) ایک بہت ہی اچھی تحریر تھی۔ **کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری ٹاؤن، کراچی۔**

* نومبر کے شمارے کی سب سے اچھی کہانی فلسفی چاچا اور خوشی کے پھول تھی۔ ہنسی گھر کے لطیفے بھی اچھے تھے، مگر پر کچھ لطیفے پرانے تھے۔ آپ نئے لطیفے شائع کیا کریں۔ ہم فیل ہو گئے نظم مزے دار تھی۔ علم دریچے میں ملک ملک کی کہاوتیں پڑھنے میں بڑا مزہ آیا۔ محنت کی لکیر بھی بہت اچھی تھی۔ **اقصیٰ انصاری، جگہ نا معلوم۔**

* نومبر کا شمارہ سب شماروں سے بازی لے گیا۔ کہانیوں میں لڑکا ہمت والا، ہیروں کا راز، اور فلسفی چاچا ٹاپ پر تھیں۔ میاں بلاقی کا ایک اور کارنامہ پڑھ کر دل خوشی سے بھر گیا۔ ہنسی گھر پڑھ کر لطیفوں نے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ بلاعنوان کہانی بھی کسی طرح دوسری کہانیوں سے کم نہ تھی۔ انکل! میں نونہال بک کلب کا ممبر بننا چاہتا ہوں۔ انکل! کیا ہم بلاعنوان انعامی کہانی کے ایک سے زیادہ عنوان بھیج سکتے ہیں۔ **حافظ محمد منیب، وزیر آباد۔**

بک کلب کا ممبر بننے کے لیے پتا درکار ہوتا ہے، وہ آپ نے خط کے نیچے لکھا ہی نہیں۔ بلاعنوان کہانی کا صرف ایک ہی عنوان لکھا کریں۔

* ہمدرد نونہال ایک ایسا رسالہ ہے جو ہر کسی کے دل میں بس جاتا ہے۔ اس ماہ کا ہی نہیں، بلکہ ہر مہینے کا شمارہ سپر ہٹ ہوتا ہے۔ **اظہر علی پٹھان، لاڑکانہ۔**

* سرورق شوخ رنگوں سے بھرپور مگر دھندلا سا تھا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات میں اچھی اچھی باتیں پڑھنے کو ملیں۔ کہانیاں سب ہی اچھی تھیں، خاص طور پر لڑکا ہمت والا، مولا بخش، خواب کی تاثیر، فلسفی چاچا منفرد کہانیاں تھیں۔ بلاعنوان اور محنت کی لکیر بھی عمدہ کہانیاں تھیں۔ مضامین معلومات سے بھرپور اور اچھے تھے۔ مضمون عظیم قربانی (بنتِ درویش) امام حسینؓ کے بارے میں

عقیدت، محبت، عظمت، دلیری اور عظیم قربانی سے بھر پور تھا۔ **محمد اجمل شاہین انصاری، لاہور۔**

✽ مجھے ہمدرد نونہال بہت پسند ہے۔ میں سات سال سے ہمدرد نونہال کا قاری ہوں۔ میں نے بڑی اُمید سے آپ کو پانچ، چھے خط لکھے تھے، لیکن آپ نے انھیں ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا۔ نومبر کے شمارے میں اپنی کہانی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ کیا پچھلے خاص نمبر مل سکتے ہیں؟ **محمد ثاقب چکی شیخ، چکوال۔**

پچھلے خاص نمبر کس کس سال کے چاہئیں، تفصیل لکھیے۔

✽ نومبر کا شمارہ بہت مزے کا تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ واقعی بہت مزے دار کہانیاں تھیں۔ **انوشہ بانو سلیم الدین، حیدر آباد۔**

✽ کہانیوں اور نظموں میں مجھے ہیروں کا راز، ہم فیل ہو گئے، محنت کی لکیر بہت اچھی لگیں۔ **شاہ زیب مسرت، بہاول پور۔**

✽ کہانیوں میں مجاہد آزادی (مسعود احمد برکاتی)، فلسفی چاچا (محمد شاہد حفیظ) سمیت تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ میاں بلاتی کی کہانی نے رسالے میں چار چاند لگا دیے۔ **محمد شکیب، بہاول پور۔**

✽ نومبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ تمام تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ مجاہد آزادی، ہیروں کا راز، مولا بخش اور بلاعنوان کہانی بہت اچھی لگیں۔ غرض رسالہ پڑھ کر معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔ فلسفی چاچا بھی بہت اچھی کاوش رہی۔ **زینب ناصر، فیصل آباد۔**

✽ نومبر کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ تمام کہانیاں لاجواب تھیں، مگر مسکراتی لکیریں کی کمی محسوس ہوئی اور اس بار لطیفے چٹ پٹے اور مزے دار تھے۔ **سمعیہ وسیم، سکھر۔**

✽ نومبر کا شمارہ سرورق سے لے کر نونہال لغت تک بہت اچھا رہا، مگر بلاعنوان کہانی بہت ہی انوکھی تھی۔ **مریم صدیقی، کورنگی، کراچی۔**

✽ نومبر کا شمارہ بہت ٹاپ پر تھا۔ ہر کہانی اچھی تھی۔ بلاعنوان کہانی بالکل بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ لطیفے بہت اچھے لگے۔ **سعد صدیقی، کورنگی، کراچی۔**

✽ نومبر کا شمارہ بہت شان دار تھا۔ ہلی گھر، عظیم قربانی اور ہیروں کا راز بہت پسند آئیں۔ بلاعنوان انعامی کہانی کا تو جواب نہیں تھا۔ **افرح صدیقی، کورنگی، کراچی۔**

✽ نومبر کا ہمدرد نونہال ہمیشہ کی طرح اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ ایک اصلاحی سلسلہ ہے، پڑھ کر اچھا لگا۔ مسعود احمد برکاتی نے خوب صورت انداز میں مولانا محمد علی جوہر کا تعارف کروایا۔ عظیم قربانی ایک سبق آموز جب کہ ہیروں کا راز لالچی انسان کی کہانی تھی۔ نومبر کے مہینے کی سب سے اچھی کہانیاں محنت کی لکیر اور خوشی کے پھول تھیں۔ **محمد احسان عثمان، کراچی۔**

✽ نومبر کا شمارہ آپ کی محنت کا منھ بولتا ثبوت تھا۔ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔ میں آپ کی محنت کی داد دیتی ہوں۔ آپ ایک طرح سے علم پھیلا رہے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے اور

اللہ تعالیٰ علم کی روشنی پھیلانے والے کو پسند کرتا ہے۔ جاگو جگاؤ نے دماغ روشن کر دیا۔ پہلی بات اچھی لگی۔ روشن خیالات واقعی روشن تھے۔ نظم دل کی آواز، وقت اور نصیحت اچھی لگیں۔ "عظیم قربانی" نے آنکھیں کھول دیں۔ ہنسی گھر اور خبر نامہ ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ کہانیوں میں مولا بخش، مجاہد آزادی، ہیروں کا راز، خوشی کے پھول اچھی لگیں۔ **ماہم فاطمہ، رحیم یار خان۔**

* نومبر کا شمارہ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ہنسی گھر پڑھ کر بھی بہت لطف آیا۔ سب سے اچھی کہانی لڑکا ہمت والا (عبدالرؤف تاجور) کی تھی۔ میں ہر ماہ کا ہمدرد نونہال پڑھتی ہوں۔ کیا ہم کوپن کو فوٹو اسٹیٹ کروا کر بھیج سکتے ہیں؟ **طوبیٰ جاوید، جگہ نامعلوم۔**

کوپن کی فوٹو کاپی قبول نہیں کی جاتی۔ ایک کوپن پر صرف ایک ہی نام لکھیے۔

* اس مہینے کا شمارہ اچھا نہیں لگا۔ کہانیاں کچھ خاص نہیں تھیں۔ بلاعنوان کہانی انتہائی فضول تھی۔ اس کہانی کا معیار کچھ خاص نہیں تھا۔ ہنسی گھر بھی اچھا نہیں لگا۔ **نمیرا مسعود، کراچی۔**

* نومبر کے شمارے کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ بلاعنوان انعامی کہانی سب سے پہلے نمبر پر تھی۔ محنت کی لکیر دوسرے نمبر پر تھی اور تیسرے نمبر پر فلسفی چاچا تھی۔ **عفیفہ وسیم، سکھر۔**

* نومبر کا شمارہ بہت شان دار تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ نونہال ادیب اور علم دریچے کی تحریریں بہت ہی اچھی لگیں۔ **حاتب اسماعیل، سارہ اسماعیل، جویریہ اسماعیل، عائشہ اسماعیل، میرپور خاص۔**

* تازہ شمارہ خوب صورت کاوشوں کا مجموعہ تھا۔ جاگو جگاؤ سے لے کر آدھی ملاقات تک ہر تحریر اچھی تھی۔ ماشا اللہ ہمدرد نونہال روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ بلاعنوان انعامی کہانی بہت مزے دار تھی۔ **امامہ عالم، زینب، حمزہ، ماریہ، کراچی۔**

* نومبر کا شمارہ بہترین اور بہت دل چسپ تھا۔ ساری کہانیاں ایک دوسرے پر سبقت لے گئیں، جنھیں پڑھ کر مزہ بھی آیا اور اچھا سبق بھی ملا۔ کہانی محنت کی لکیر بے حد سبق آموز کہانی تھی۔ کیا میں اپنے بچپن کی تصویر سرورق کے لیے بھیج سکتی ہوں؟ برائے مہربانی مجھے اپنے بک کلب کا ممبر بنالیں۔ **فریحہ فاطمہ، میرپور خاص۔**

بک کلب کی ممبر شپ کے لیے پتا نوٹ کر لیا ہے۔ تصویر زیادہ سے زیادہ پانچ سال عمر کی ہونی چاہیے۔

* نومبر کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ تمام کہانیاں اچھی لگیں۔ ہمدرد نونہال بچوں کے لیے ایک معیاری رسالہ ہے۔ اس کی جتنی تعریف کریں کم ہے۔ **عمیرہ صابر، کراچی۔**

* نومبر کا شمارہ لاجواب تھا۔ اس شمارے میں کہانیاں مولا بخش، خوشی کے پھول اور بلاعنوان انعامی کہانی بہت اچھی لگی۔ **محمد اذعان خان، کراچی۔**

* تمام کہانیاں اچھی لگیں۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات سب سے زیادہ اچھی لگیں۔ **جواد الحسن، لاہور۔** ☆

گم شدہ انگوٹھی ۶۰ سال بعد مل گئی

امریکا میں رہنے والی ۸۴ سالہ ایک خاتون الزبتھ کلارک کو اپنی ۱۹۵۴ء میں گم ہونے والی انگوٹھی واپس مل گئی۔ ۱۹۵۴ء میں ٹیکساس کی خشک جھیل میں ان کی انگوٹھی گم ہوگئی تھی۔ انھوں نے انگوٹھی بہت تلاش کی، مگر ناکامی ہوئی۔ انگوٹھی ملنے کے بعد خاتون کو انتہائی حیرت ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ مجھے اس کے ملنے کی بہت خوشی ہے اور اس کو ڈھونڈنے کے لیے میں نے بہت کوشش کی تھی، مگر اب یہ انگوٹھی ۶۰ سال بعد واپس ملی ہے تو اس کا حلیہ بدل چکا ہے، لیکن میں پھر بھی بہت خوش ہوں۔

یورپ کا غلیظ ترین انسان

ریکارڈ تو بنتے ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں، لیکن کچھ ریکارڈ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا ٹوٹنا مشکل نظر آتا ہے۔ ایسا ہی ریکارڈ رکھنے والا چیک ری پبلک کا ''لیوڈک ڈولیزل'' نامی شخص ہے، جسے یورپ کا غلیظ ترین انسان ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ شخص صرف راکھ کے بستر پر ہی سوتا ہے اور اس نے اپنے تمام کپڑے اور گھر کا دوسرا سامان جلا کر اس کو راکھ میں بدل ڈالا ہے، تاکہ اپنا من پسند بستر تیار کرسکے۔ اسے حکومت کی طرف سے ہر مہینے ۸۱ پونڈ دیے جاتے ہیں، لیکن وہ بھی قسطوں میں کہ کہیں یہ سر پھرا آدمی انھیں اپنے بستر کا حصہ بنانے کے لیے جلا ہی نہ ڈالے۔ ☆

تھوڑا تھوڑا بہت

مولانا اسماعیل میرٹھی
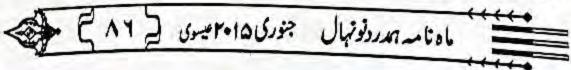
بنایا ہے چڑیوں نے جو گھونسلا
سو ایک ایک تنکا اِکٹھا کیا

گیا ایک ہی بار سورج نہ ڈوب
مگر رفتہ رفتہ ہوا ہے غروب

قدم ہی قدم طے ہوا ہے سفر
گئیں لحظے لحظے میں عمریں گزر

برستا جو مینھ موسلادھار ہے
سو یہ ننھی بوندوں کی بوچھار ہے

درختوں کے جھنڈ اور جنگل گھنے
یونہی پتے پتے سے مل کر بنے

لگا دانے دانے سے غلّے کا ڈھیر
پڑا لمحوں لمحوں سے برسوں کا پھیر

لکھا، لکھنے والے نے ایک ایک حرف
ہوئیں گڈیاں کتنی کاغذ کی صَرف

ہوئی لکھتے لکھتے مُرتب کتاب
اسی پر ہر ایک شے کا سمجھو حساب

اگر تھوڑا تھوڑا کرو صبح و شام
بڑے سے بڑا کام بھی ہو تمام

علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... رپورٹ : حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں محترم پروفیسر ڈاکٹر رشید اے نعیم (چیئر مین اور ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی) مہمانِ خصوصی تھے۔ اراکینِ شوریٰ ہمدرد محترم نعیم اکرم قریشی اور محترم کرنل عبدالحمید آفریدی نے بھی خصوصی شرکت کی۔ یومِ اقبال کے موقع پر اس اجلاس کا موضوع تھا: "علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب"

اسپیکر اسمبلی نونہال عائشہ اسلم تھیں۔ تلاوتِ قرآنِ مجید و ترجمہ زرش ریاض و ساتھی نونہالوں نے اور حمدِ باری تعالیٰ نونہال نور العین نے پیش کی۔ رفیع اللہ و ساتھی نونہالوں نے فرمانِ رسولؐ اور کومل نے ہدیۂ نعتؐ پیش کیا۔ نونہال مقررین میں عیشا سحر، نویرا ایمان، مناحل شہزاد، حماد احمد اور خرم شہزاد شامل تھے۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ قرآنِ کریم کے ذریعے باری تعالیٰ نے ہمیں ایک دعا کی تلقین فرمائی جسے کثرت سے دہرانے کی ضرورت پہلے بھی رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ دعا ہے: "رَبِّ زِدنی عِلما" علامہ اقبال نے اس دعا کو کس خوب صورتی سے ایک مصرعے میں سمویا ہے۔ "علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب!"

قائدِ نونہال شہید حکیم محمد سعید فرمایا کرتے تھے کہ علم کا حصول دیگر اقوام کے لیے تو دنیاوی ترقی کے لیے ہوسکتا ہے، لیکن ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم کا حصول فرض کر دیا گیا۔ ہماری بے شمار پریشانیوں کا خاتمہ ممکن ہے، اگر ہم علم کے فروغ کو اولین حیثیت دینے پر آمادہ ہو جائیں۔
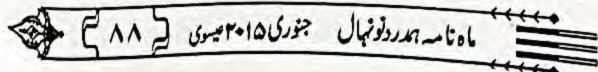
☆
ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں پروفیسر ڈاکٹر رشیدا ے نعیم، جناب نعیم اکرم قریشی، کرنل عبدالحمید آفریدی اور نونہال مقررین
☆

محترم نعیم اکرم قریشی نے کہا کہ علم صرف کتابوں کا پڑھنا اور امتحان پاس کرنا ہی نہیں، بلکہ آپ کے کردار اور سوچ و عمل میں اچھی تبدیلی کا نام ہے۔ آج بچوں اور نوجوانوں کو اقبال کی فکر اپنانے کی ضرورت ہے۔ شہیدِ پاکستان کی دعا "دعاے سعید" کو بھی اپنانا اور ہر اسکول میں پڑھا جانا ضروری ہے۔

محترم کرنل عبدالحمید آفریدی نے کہا کہ انسان کے بڑے اور چھوٹے ہونے کا معیار دولت نہیں، بلکہ اس کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔

محترم پروفیسر ڈاکٹر رشیدا ے نعیم نے کہا کہ علم نیکی کا راستہ ہے۔ علم کے لیے ضروری ہے کہ ہم وقت کی بھی قدر کریں۔ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید وقت کے انتہائی پابند تھے اور اس کی قدر کرتے تھے۔ جن قوموں نے علم اور وقت کی قدر کی وہ آج عظمت و بلندی پر ہیں اور ہم علم اور وقت کو اہمیت نہ دینے کی وجہ سے ہی آج اقوامِ عالم میں محکوم اور خوار ہیں۔

اس موقع پر طالبات نے کلامِ اقبال پیش کیا۔ موضوع کے مطابق ایک رنگا رنگ ٹیبلو بھی پیش کیا گیا۔ آخر میں نونہالوں میں انعامات تقسیم کرنے کے بعد دعاے سعید پیش کی گئی۔

ہمدرد نونہال اسمبلی

لاہور

....

رپورٹ :
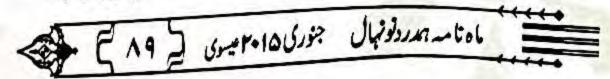
سید علی بخاری

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں نونہال تقریر کر رہے ہیں۔

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور کے خصوصی اجلاس کی صدارت ڈائریکٹر اقبال اکادمی محترم احمد جاوید نے فرمائی۔ اقبال اکادمی پاکستان وزارتِ ثقافت، حکومتِ پاکستان کے زیرِ انتظام کام کرنے والا ادارہ ہے۔ یہ ملک کے قدیم ترین علمی اداروں میں سے ایک ہے۔ اس کے قیام کا بنیادی مقصد علامہ اقبال کے شعر و حکمت کا مطالعہ و تفہیم، اس کی تحقیق و تدوین اور نشر و اشاعت کا اہتمام کرنا ہے۔ اقبال اکادمی میں ہمدرد نونہال اسمبلی کے اجلاس کا مقصد نونہالوں کو اکادمی کے کاموں کے بارے میں بتانا تھا۔ ہمدرد نونہال اسمبلی کے اس خصوصی اجلاس کی نظامت نویرا بابر نے کی۔ نونہال قاری محمد قاسم نے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ نونہال مقررین میں مہرال قمر، دعا منصور، ملائکہ صابر، حذیقہ پری، طیبہ طارق، اجویٰ احمد اور رجاء سید شامل تھے، جب کہ حسنین بخاری، علوینہ خان اور فریحہ بابر نے کلامِ اقبال پیش کیا۔ محترم احمد جاوید نے شگفتہ انداز میں نونہالوں کے سوالوں کے جوابات دیے۔ اختتام پر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کی جانب سے اقبال اکادمی کا خصوصی تعاون پر شکریہ ادا کیا گیا۔ ☆

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

اس بار ہم مصوری کے بجائے آپ کو ''فلاور پوٹ'' بنانا سکھائیں گے۔ ایک بڑے سائز کی بوتل لے کر اسے بڑی قینچی یا کٹر سے اس طرح کاٹیں کہ اس کی گولائی میں فرق نہ پڑے۔ تصویر میں دیکھیے کہ بوتل کا کتنا حصہ کاٹا گیا ہے۔ اب اس میں مٹی، کھاد بھر لیں اور کوئی ایسا پودا لگائیں، جو بیل کی شکل میں بڑھتا ہو۔ اسے آپ ایسی جگہ رکھ دیں، جہاں دھوپ کا گزر ہو۔☆

نونہال مصور
عتیق الرحمٰن
طوبیٰ ایمن
یزمان
TOM
سمیہ وسیم، عفیفہ وسیم، سکھر
صہیب اظہر، کراچی
محمد شیراز انصاری، کراچی
فضا فاروق، لیاقت آباد
فائزہ کامل، محمود آباد
بہادر علی حیدر بلوچ، کنڈیارو

ذہین طالبہ

بینش صدیقہ
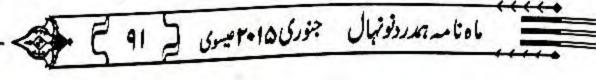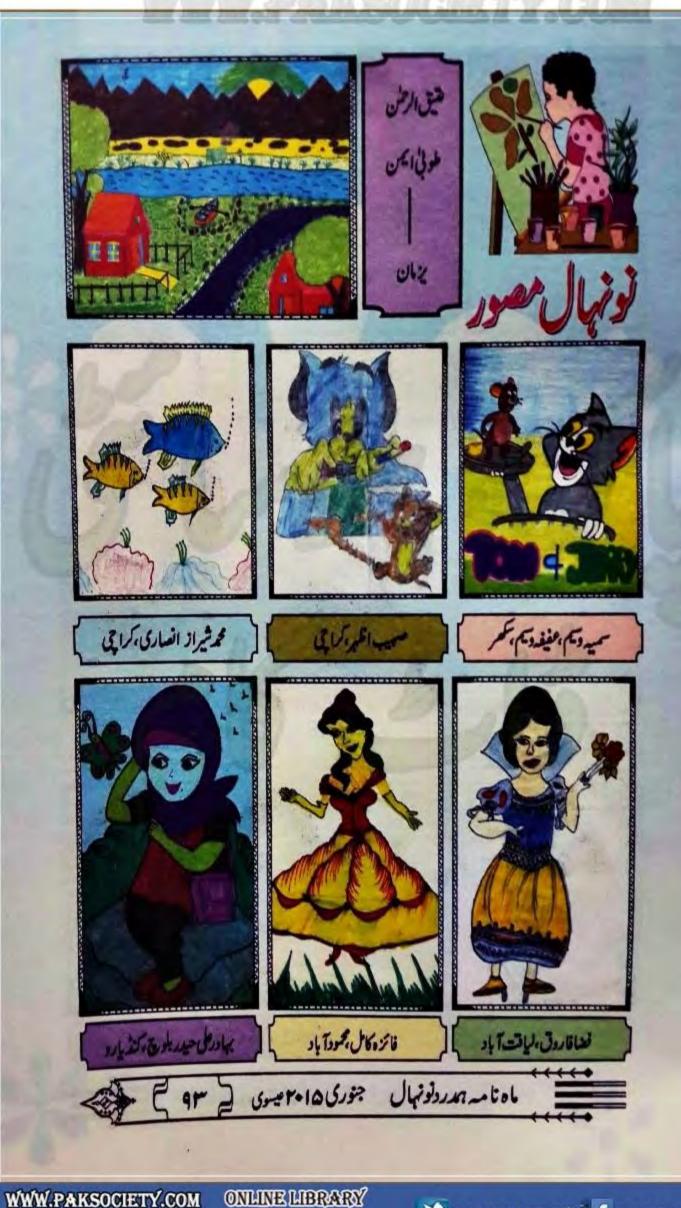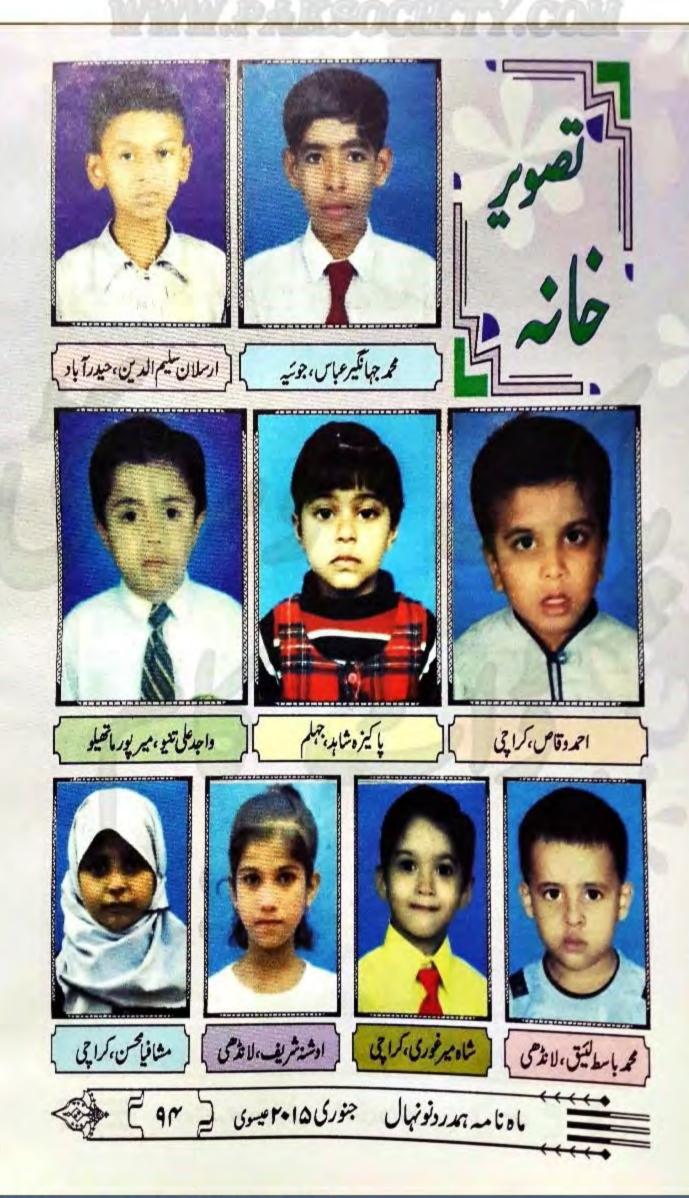
بھارت کے شہر تامل ناڈو کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والی پریما جے کمار گاؤں کے بیشتر گھروں کی طرح ایک غریب گھر میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کے ابا کمار بابو محنت مزدوری کر کے گھر بھر کا پیٹ پالتے۔ پریما کے پاس کھیلنے کو نہ تو کھلونے تھے اور نہ پڑھنے کو کتابیں۔ وہ محلے کی سہیلیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتی رہتی تھی۔ پڑھنے لکھنے کا تو دور دور تک کوئی خیال تک نہ تھا۔ جب گھر کے اخراجات بڑھنے لگے تو پریما کے ابا نے ممبئی جانے کی ٹھانی، تا کہ کمائی میں کچھ اضافہ ہو سکے۔ ممبئی جانے کا سن کر پریما کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔

کمار بابو کوئی پڑھے لکھے آدمی تو تھے نہیں کہ انھیں کسی بڑے ادارے میں شان دار
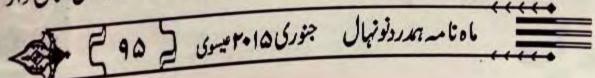
سی نوکری مل جاتی اور گھر کے معاشی حالات سنور جاتے۔ یہاں آ کر ان کا خاندان ایک جھونپڑی میں رہنے لگا۔ پریما اور اس کے بھائی کا داخلہ ایک سرکاری اسکول میں کرا دیا گیا اور کمار بابو ایک فیکٹری میں مزدوری کرنے لگے۔ حالات آہستہ آہستہ معمول پر آنے لگے، لیکن ننھی پریما کا دل تو جیسے اس کے گاؤں میں ہی کہیں رہ گیا تھا۔

کمار بابو اسے سمجھاتے: ''بیٹا! ہم چاہتے ہیں تم پڑھ لکھ جاؤ۔ تم پڑھ لکھ جاؤ گی تو تمھارا مستقبل سنور جائے گا۔''

ایسی باتیں ننھی پریما کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ وہ بس ابا سے واپسی کی ضد کیے جاتی۔ ایسے میں پریما کی اماں اس کا دل بہلاتیں۔

وقت گزرتا رہا اور پریما بھی سمجھ دار ہوتی گئی۔ اپنی سمجھ داری اور پڑھائی میں ہوشیاری کی وجہ سے وہ جلد اپنے اساتذہ کی پسندیدہ شاگرد بن گئی۔ میٹرک کے امتحانات میں اس نے نمایاں نمبر حاصل کر کے اسکول کا نام خوب روشن کیا۔

کمار بابو کی محنت کی قیمت گویا وصول ہونے لگی۔ وہ اُٹھتے بیٹھتے پریما اور اس کے بہن بھائی کے لیے اعلا تعلیم حاصل کرنے اور کامیابیوں کی دعا کرتے۔ پریما کی سمجھ میں تو بات آ جاتی تھی، لیکن اس کا چھوٹا بھائی کہتا: ''ارے ابا! اعلا تعلیم حاصل کر کے ہمیں کون سی شان دار نوکری مل جائے گی۔ ہم ہیں تو وہی غریب سے، جھونپڑی میں رہنے والے، ہم جیسے لوگوں کو کون نوکری دے گا۔''

کمار بابو بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کرتے تو وہ اپنی عقل کے مطابق جواب دیتا: ''ارے ابا! آپ کو کیا پتا، یہاں شان دار نوکری صرف ان لوگوں کو ملتی ہے، جن کے بڑے

بڑے جاننے والے ہوں۔ بغیر سفارش کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔''

پریما بھی اپنے بھائی کو سمجھاتی کہ اعلا تعلیم کا نوکری سے کیا تعلق ہے! تم نوکری کے لیے پڑھنا چاہتے ہو یا اپنی سوچ اور اپنے کردار کو بہتر بنانے کے لیے؟

وقت کے ساتھ ساتھ اس خاندان کے حالات بہتر ہونے لگے۔ کمار بابو نے پیسا پیسا جوڑ کر ایک آٹو رکشا خرید لیا اور پریما کی ماں نے ایک فیکٹری میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ جھونپڑی چھوڑ کر ایک کمرے کے مکان میں رہنے لگے، یہی کمرا ان کا بیڈ روم بھی تھا اور یہی ڈرائنگ روم بھی، یعنی یہاں پڑھنے لکھنے کا ماحول بنانا بڑا دشوار تھا۔ اس کے باوجود پریما نے ہمت نہ ہاری۔

اسکول کے بعد پریما نے سرکاری کالج میں داخلہ لے لیا۔ اس کے پاس قدرتی ذہانت تو تھی ہی، پھر اس کی سخت جدوجہد نے اس کے اساتذہ کو بے حد متاثر کیا۔ اس کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے کالج کے اساتذہ نے اسکالرشپ کے حصول میں اس کی مدد کی۔ اسکالرشپ کی رقم سے پریما کو پورے انہماک سے پڑھائی کرنے کا موقع ملا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک کمرے کے گھر میں رہتے ہوئے پریما نے بی کام کے امتحانات میں پورے صوبے میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔

اساتذہ کو اس کی شان دار کام یابی کا یقین تھا، تو والدین کو بھی پورا بھروسا تھا۔ اس شان دار کام یابی کے بعد پریما نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے اگلے درجے میں داخلے کا فیصلہ کیا، لیکن اس کے ایک استاد ڈاکٹر رام چند نے اسے مشورہ دیا کہ وہ چارٹرڈ اکاؤنٹس میں داخلہ لے۔ پریما استاد کی بات سن کر حیران رہ گئی اور بولی: ''سر! میں ''سی اے'' کیسے کر سکتی ہوں؟''

ڈاکٹر رام چند، پریما کے گھر کے حالات سے واقف تھے، بہت شفقت سے بولے:
''بیٹا! کبھی یہ نہ سوچنا کہ تم یہ کام نہیں کرسکتیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کیوں سی اے کرنے سے گھبرا رہی ہو۔ مجھے معلوم ہے تمھارے گھر کے حالات اچھے نہیں تھے جس کی وجہ سے انگلش میڈیم اسکول کے بجائے تم نے سرکاری اسکول سے تعلیم حاصل کی ہے تو یقین کرو کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فرق پڑتا ہے تو یہ کہ تم انتہائی محنتی ہو اور مجھے یقین ہے کہ ضرور کام یابی حاصل کرلوگی۔''

استاد کے یہ الفاظ پریما کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں تھے، یوں اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ''ایم کام'' کے ساتھ ساتھ ''سی اے'' میں بھی داخلہ لے گی۔ یہی نہیں اس نے اپنے چھوٹے بھائی دھن راج کو بھی اپنے ساتھ سی اے کرنے پر راضی کرلیا۔ پریما کی دیکھا دیکھی دھن راج بھی سخت منظّم زندگی کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ رات بھر کال سینٹر میں نوکری کرتا اور دن میں پریما کے ساتھ مل کر سی اے کی تیاری کرتا۔

کامرس کی ماسٹر ڈگری اور سی اے کی تیاری کے ساتھ ساتھ پریما گھر کے کاموں میں بھی ماں کا ہاتھ بٹاتی۔ اس کی محنت کو دیکھتے ہوئے اس کے تعلیمی ادارے نے اسے چالیس ہزار روپے کی اسکالرشپ سے نوازا۔ پریما کی محنت اور ذہانت کو دیکھتے ہوئے اس کے والدین اور اساتذہ کو یقین تھا کہ وہ پہلی ہی بار سی اے کے امتحانات میں کام یابی حاصل کرلے گی۔ دونوں بھائی بہن کو اپنی کام یابی کا بھرپور یقین تھا۔

امتحان کا نتیجہ حیران کردینے والا تھا۔ اسے اپنی کام یابی کا تو یقین تھا، لیکن اتنی شان دار کام یابی کہ ایک ارب آبادی والے ملک بھارت میں وہ بڑے بڑے امیر کبیر اور ذہین لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر اول پوزیشن حاصل کرلے گی، اس کا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ

تھا۔ نتیجہ آنے کی دیر تھی کہ پورے ملک کا میڈیا اس کے گھر پہنچ گیا اور چند ہی گھنٹوں میں پریما کے کارنامے کی دھوم عالمی سطح پر پہنچ گئی۔ اگلے روز اس غریب، لیکن باہمت لڑکی کے کارنامے کی خبر دنیا بھر کے اخبارات میں صفحہ اول پر نمایاں طور پر شائع ہوئی۔ پریما کے ساتھ اس کے بھائی دھن راج نے بھی امتحانات میں کام یابی حاصل کرتے ہوئے بائیسواں درجہ حاصل کیا۔

چوبیس سالہ پریما اپنی کام یابی پر حیران تھی تو اس کے والدین خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ کام یابی کی خبر کے ساتھ دنیا بھر کے مشہور و معروف اداروں نے پریما کو نوکری کی پیش کش کر دی۔ ایک انتہائی غریب، لیکن محنت کش خاندان کی بہادر لڑکی نے نہ صرف اپنی، بلکہ اپنے پورے خاندان کی کایا پلٹ دی۔

پریما کی کام یابی صرف اس لیے خاص نہیں کہ اس نے ایک مشکل امتحان میں سب سے اونچا درجہ حاصل کر لیا، بلکہ یہ کام یابی اس لیے زیادہ اہم ہے کہ جن حالات میں اس نے یہ معرکہ سر کیا، وہ تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے سازگار نہیں تھے۔ ایسے حالات میں نہ صرف پڑھ لینا، بلکہ ایک ہی مرحلے میں ''سی اے'' جیسا مشکل امتحان پاس کر لینا اور اس میں سرِ فہرست آ جانا، تعلیم کی دنیا کا ایک سبق آموز واقعہ ہے۔ ☆

ای۔میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تا کہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔
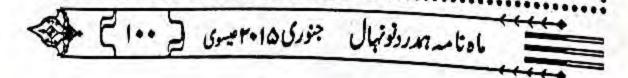
hfp@hamdardfoundation.org

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

عائشہ محمد طاہر قریشی، نواب شاہ
فاطمہ عبدالقادر، کراچی
عائشہ الیاس، کراچی
سیدہ اریبہ بتول، کراچی
عبدالرؤف سمرا، خانیوال
محمد عمر، کراچی
خولہ بنتِ سلیمان، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

عائشہ محمد طاہر قریشی، نواب شاہ

پاکستان میں بہت سی عظیم شخصیات گزری ہیں جیسے قائداعظم، علامہ اقبال، حکیم محمد سعید وغیرہ۔ قوم اور ملک سے سچی محبت اور بے غرض خدمت کرنے والے قوم کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور تاریخ کے صفحات میں ان کے نام ہمیشہ جگمگاتے رہتے ہیں۔ حکیم محمد سعید بھی انھی عظیم ہستیوں میں ہیں جنھوں نے قوم کی تعلیم اور صحت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔

حکیم محمد سعید ۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبدالمجید اور والدہ کا نام رابعہ ہندی تھا۔

حکیم صاحب والدین کی پانچویں اولاد تھے۔ ان کی پیدائش کے دو سال بعد والد کا انتقال ہو گیا۔ آپ دو سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ ان کی پرورش والدہ رابعہ ہندی نے اور تربیت بڑے بھائی حکیم عبدالحمید نے کی۔ وہ بچپن ہی سے ذہین اور محنتی تھے۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ ابتدائی دینی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور اردو کے علاوہ فارسی، عربی اور انگریزی قابل استادوں سے سیکھی۔ حکیم محمد سعید نے نئے آزاد ہونے

والے ملک پاکستان میں قدم رکھا تو اس روز ۹ جنوری ۱۹۴۸ء کا دن تھا۔ انھوں نے ابتدا میں ایک اسکول میں استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ پھر ہمت کر کے معمولی سے سرمائے سے ''ہمدرد دواخانہ'' کا آغاز کیا۔ کراچی میں ایک کمرا کرائے پر لے کر ہمدرد مطب قائم کیا اور پاکستان میں پیدا ہونے والی جڑی بوٹیوں سے دوائیں تیار کر کے بیماریوں کے خلاف جہاد شروع کیا۔

حکیم محمد سعید کو نونہالوں کی تعلیم و تربیت سے خصوصی دل چسپی تھی۔ انھوں نے بچوں کی تربیت کے لیے بہت کام کیا۔ ۱۹۵۳ء میں بچوں کا رسالہ ''ہمدرد نونہال'' شائع کیا۔ نونہالوں کے لیے پاکیزہ اور مفید کتابیں شائع کرنے کے لیے نونہال ادب کا شعبہ ۱۹۸۸ء میں قائم کیا۔ خود بھی نونہالوں کے لیے سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ ایک بہت اچھے درجے کا اسکول ''ہمدرد پبلک اسکول'' کے نام سے قائم کیا۔ نونہالوں کو مجلسی طور طریقے سکھانے کے لیے ''نونہال اسمبلی'' کا سلسلہ شروع کیا۔

حکیم محمد سعید نے کراچی آ کر اپنی عملی زندگی شروع کی۔ ہمدرد دواخانہ اور ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان قائم کیا اور مدینتہ الحکمہ اور بیت الحکمہ (لائبریری) قائم کی۔ اس میں اعلا درجے کی ''ہمدرد یونی ورسٹی'' بھی قائم کی۔ اس یونی ورسٹی میں میڈیکل کی قدیم اور جدید تعلیم کے الگ الگ کالج ہیں، جہاں تعلیم پا کر حکیم اور ڈاکٹر پورے ملک کی خدمت کرتے ہیں۔ مدینتہ الحکمہ میں ایک اسکول قائم کیا اور آج وہاں ہزاروں نونہال تعلیم کی نعمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

خدمتِ خلق کے اور بھی بہت سے کام ہمدرد فاؤنڈیشن کے تحت ہوتے ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں حکیم محمد سعید کو ''ستارۂ امتیاز'' کا اعزاز دیا گیا۔ شہادت کے بعد پاکستان کا اعلا ترین اعزاز ''نشانِ امتیاز'' دیا۔ ان

کے یومِ ولادت ۹ جنوری کو حکومتِ پاکستان نے بچوں کا قومی دن قرار دیا۔ حکیم محمد سعید صدر پاکستان کے مشیر بھی رہے اور صوبہ سندھ کے گورنر بھی۔ انھوں نے یہ تمام خدمات بلا معاوضہ انجام دیں۔

حکیم محمد سعید بڑے با اخلاق شخص تھے۔ ان کی زندگی میں نہایت سادگی تھی۔ ہمیشہ سفید لباس پہنتے تھے۔ انھوں نے کوئی جائداد نہیں بنائی۔ وہ امیر یا غریب میں فرق نہیں رکھتے تھے۔ وہ تمام مریضوں کا مفت علاج کرتے تھے، وہ وقت کے بڑے پابند تھے۔

۱۷- اکتوبر ۱۹۹۸ء کی صبح، نمازِ فجر کے بعد کا وقت تھا، قوم کے دشمنوں نے اس عظیم شخصیت حکیم محمد سعید کو ۷۸ سال کی عمر میں شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ روزے اور وضو کی حالت میں تھے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

بہترین مقرر

عائشہ الیاس، کراچی

میں احمد کا موبائل فون ہوں۔ دوپہر کا وقت تھا۔ میں میز پر پڑا آرام کر رہا تھا۔ اچانک میرے کسی ساتھی نے مجھے جگا دیا۔ مجھ پر جھنجھلاہٹ طاری ہوگئی اور میں نے زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔ آخر احمد کی آنکھ کھل گئی اور اس نے مجھے اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف اس کا کوئی دوست تھا۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ اس سے کم از کم ایک گھنٹے تک باتیں کرتا رہے گا۔

اس نے رات بھر میرے ذریعے سے ایس ایم ایس کیے تھے اور اب میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ مجھے ابھی توانائی کی ضرورت تھی۔ آخر میری ہمت جواب دے گئی اور میری اسکرین ایک جھٹکے سے تاریک ہوگئی۔

''اُف! بیٹری کو ابھی جواب دینا تھا۔ ابھی تو مجھے فہد کو، اپنی یومِ آزادی پر لکھی گئی

تقریر کے بارے میں بھی بتانا تھا۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے مجھے چارج پر لگا دیا۔

آج احمد کے اسکول میں تقریری مقابلہ تھا۔ احمد بڑے اعتماد کے ساتھ ڈائس پر کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ میں اس کی تقریر بڑے غور سے سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: "۱۴- اگست کا دن ہر سال آکر ہمیں ہمارے بزرگوں کی قربانیاں یاد دلاتا ہے۔ ان شہیدوں کی یاد دلاتا ہے، جنھوں نے اپنے خون کا نذرانہ پیش کیا تو آج ہمیں آزاد فضا میں سانس لینے کے مواقع میسر آئے۔ یہ دن ہم سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم بھی اپنی صلاحیتوں کو وطنِ پاکستان کے لیے وقف کردیں۔ خاص طور پر نوجوان نسل کو چاہیے کہ وہ فضول سرگرمیوں میں اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے تعمیری کاموں میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کرے۔"

مجھے احمد کا رات رات بھر ایس ایم ایس کرنے اور گھنٹہ گھنٹہ بھر اپنے دوستوں سے باتیں کرنے میں، وقت ضائع کرنا یاد آگیا۔ پھر جب اسے بہترین مقرر کا انعام ملا تو مجھے کوئی خوشی نہ ہوئی، کیوں کہ وہ خود تو ان باتوں پر عمل کرتا نہیں تھا اور دوسروں کو نصیحت کرتا پھر رہا تھا۔ بہترین مقرر تو وہ ہوتا ہے جو خود بھی ان باتوں پر عمل کرتا ہو، جن کی وہ دوسروں کو نصیحت کر رہا ہے۔

جب احمد گھر واپس آیا تو بہت خاموش خاموش سا تھا۔ مجھے اس وقت بہت حیرت ہوئی جب اس نے پورے دن میں ایک بھی ایس ایم ایس نہ کیا اور نہ گھنٹہ گھنٹہ بھر اپنے دوستوں سے بات کی۔ مجھے ایسا لگا کہ اس نے میرے دل کی بات سن لی ہے۔

پھر یہ اس کا معمول بن گیا کہ اب وہ مجھے صرف ضرورت کے وقت استعمال کرنے لگا اور جو وقت پہلے اس کا فضول کاموں میں ضائع ہوتا تھا، اب وہ تعمیری کاموں میں صرف ہونے لگا۔ اب وہ واقعی بہترین مقرر کہلانے کے لائق تھا۔

ماں اور منّا

مرسلہ : عبدالرؤف سمرا، خانیوال

ہوگئی رات ، سوگئے تارے

منے تم بھی سوجاؤ نا پیارے

تم کو دن بھر کھلاتی رہتی ہے

رات کو ماں بھی سونا چاہتی ہے

اور کتنا ستاؤ گے ماں کو

رات بھر کیا جگاؤ گے ماں کو

اچھے اچھے جو بچے ہوتے ہیں

رات کو جلدی سوتے ہیں

تم بھی سوجاؤ منے جلدی سے

خوابوں میں اب کھوجاؤ جلدی سے

منے کو ماں سناتی تھی لوری

منا سوجاتا سن کے پھر لوری

پنسل

فاطمہ عبدالقادر، کراچی

میرا نام پنسل ہے۔ ہوں تو میں دُبلی تپلی، پر بڑے کام کی چیز ہوں۔ اب آپ یہ نہ کہیے گا کہ میں اپنے منہ میاں مٹھو بن رہی ہوں۔ اب دیکھیں ناں اگر میں نہ ہوں تو بچے لکھنا کیسے سیکھیں اور ان تمام بڑی عمارتوں، پلوں اور مشینوں کے نقشے کیسے تیار ہوں۔ میری ایک خوبی یہ ہے کہ میں ہوں بہت سستی چاہے کوئی امیر ہو یا غریب مجھے آسانی سے خرید اور استعمال کرسکتا ہے۔

میری ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اگر درست طریقے سے استعمال کیا جائے تو میں کافی دن تک چلتی ہوں۔ اس کے علاوہ ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر آپ سے لکھتے میں کوئی غلطی ہوجائے تو میرے لکھے کو ربر سے مٹایا بھی جاسکتا ہے۔

مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے جب آپ مجھے SHARPENER سے چھیلتے ہیں، لیکن کیا کروں اگر میں تکلیف نہ اُٹھاؤں تو پھر آپ لکھیں گے کیسے؟ میں یہ قربانی دے کر بہت خوش ہوں۔ بعض بچے جب مجھے دانتوں

سے چباتے ہیں تو بھی مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے، لیکن مجھے اپنی تکلیف سے زیادہ اس بات کا افسوس ہوتا ہے کہ جو بچہ مجھے چباتا ہے اس کے جسم میں میرے سیسے (LEAD) کے زہریلے ذرات پہنچ جاتے ہیں جن سے اس کی صحت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ میں آپ سے ایک التجا کرتی ہوں کہ مجھے دانتوں سے نہ چبائیں۔

مجھے درختوں کی لکڑی سے بنایا جاتا ہے اور اس لکڑی کے درمیان سیسہ (LEAD) رکھ دیا جاتا ہے، جو لکھنے کے کام آتا ہے۔ آج کل مجھے بہت دیکھ بھال کر کے خریدنا پڑتا ہے، کیوں کہ مجھے بنانے والے گھٹیا خام مال استعمال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے میں بہت جلدی خراب ہو جاتی ہوں۔

مجھے ایک بات کا بہت افسوس ہے کہ لوگ مجھے بڑی بے احتیاطی اور بے دردی سے استعمال کرتے ہیں اور مجھے آدھا استعمال کر کے ہی پھینک دیتے ہیں۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ کتنے درخت کٹتے ہیں۔ کتنا سیسہ (LEAD) استعمال ہوتا ہے تب جا کر ایک پنسل بنتی ہے۔

اعتبار

سیدہ اریبہ بتول، کراچی

ایک جوہری کے پاس ایک نگینہ ساز ملازم تھا۔ وہ بہت محنتی اور ایمان دار تھا، مگر جوہری کو اس کی کوئی قدر نہ تھی۔ ایک بار نگینہ ساز نے اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر جوہری سے پانچ ہزار رپے قرض مانگے، مگر جوہری قرض دینے پر تیار نہ ہوا۔ نگینہ ساز کی تمام منت سماجت بے کار گئی۔

ایک بار نگینہ ساز ایک ہیرا لیے جوہری کے پاس پہنچا اور بولا: ”یہ ہمارا خاندانی ہیرا ہے۔ یہ ایسا نایاب ہے کہ اس کا کوئی بدل نہیں۔ اسے میں نے بُرے وقتوں کے لیے بچا کر رکھا ہوا تھا۔ تم اسے گروی رکھ کر مجھے پانچ ہزار رپے دے دو۔“

جوہری خوشی سے راضی ہوگیا اور اسے قرض دے دیا۔ نگینہ ساز مسلسل پانچ سال تک جوہری کے پاس ملازمت کرتا رہا اور آہستہ آہستہ اپنا قرض پورا کر دیا۔ قرض کی آخری قسط دینے پر نگینہ ساز نے جوہری سے اپنا ہیرا طلب کیا۔ جوہری نے ہیرا اس کے حوالے کر دیا۔ نگینہ ساز نے ہیرا لیا اور پانی سے بھرے ہوئے پیالے میں ڈال کر ہلانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہیرا گھل کر ختم ہوگیا۔ جوہری حیران رہ گیا۔

نگینہ ساز بولا: ''اصل میں یہ مصری کا ڈلا تھا، جسے میں نے اپنے فن سے اس طرح تراشا کہ تم جیسا جوہری بھی دھوکا کھا گیا۔ تم نے ایک پیسے کی مصری کا اعتبار کر لیا، مگر میری صلاحیتوں کا اعتبار نہ کیا۔ افسوس کہ میں ایسے ناقدر شناس کے پاس مزید ملازمت نہیں کر سکتا۔'' یہ کہہ کر نگینہ ساز جوہری کو حیران چھوڑ کر چلا گیا۔

شیخ چلی کا کارنامہ

محمد عمر، کراچی

شیخ چلی جس گاؤں میں رہتے تھے اس گاؤں میں ایک حکیم بھی رہتے تھے۔ شیخ چلی کو حکیم بننے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن شیخ چلی سے رہا نہ گیا اور اس نے حکیم صاحب سے کہا: ''حکیم صاحب! کیا آپ مجھے حکمت سکھا دیں گے؟''

حکیم صاحب نے کہا: ''حکیم بننا کوئی آسان کام نہیں ہے۔''

لیکن شیخ چلی نے بہت ضد کی تو حکیم صاحب نے شیخ چلی کو کچھ دوائیں دی اور کہا: ''بیٹا! میں نے تو تمھیں دوائیں دے دی ہیں، اب انھیں صحیح استعمال کرنا تمھارا کام ہے۔''

حکیم صاحب نے شیخ چلی کو ایک پرچی بھی دی جس پر لکھا تھا کہ کس مرض کے لیے کون سی دوا ہے اور دوائیوں کے ڈھکن پر دوائیوں کے نام لکھ دیے۔ کچھ دنوں بعد

شیخ چلی بھی ایک دکان میں حکمت کرنے لگا۔

ایک دن اچانک بارش شروع ہوگئی۔ بارش سے دکان کے سامنے کیچڑ کا ڈھیر لگ گیا۔ اِدھر سے ایک موٹر سائیکل گزری۔ کیچڑ بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے شیخ چلی کے دواؤں کے ڈھکن پر کیچڑ کے چھینٹے پڑے۔ شیخ چلی کو بہت غصہ آیا۔ شیخ چلی نے سب دوائیوں کے ڈھکن اُتارے اور انھیں ایک کپڑے سے صاف کرنے لگا۔ ڈھکن تو صاف ہوگئے، لیکن شیخ چلی یہ بھول گئے کہ کس بوتل پر کون سا ڈھکن لگا تھا۔

شیخ چلی نے دل ہی دل میں کہا ''کوئی بات نہیں''، شیخ چلی نے سب دوائیوں پر غلط ڈھکن لگادیے۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی آیا اور شیخ چلی سے کہنے لگا: ''حکیم صاحب! پچھلے دو ہفتوں سے مجھے بھوک نہیں لگتی اور مجھے قبض ہے۔''

شیخ چلی نے اس پرچی میں دیکھا اور ایک ڈھکن کھول کر اس آدمی کو دوا دے دی اور وہ آدمی چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی آیا اور کہنے لگا: ''میرے سر میں بہت درد ہوتا ہے۔ آپ کے پاس اس کا کوئی علاج ہے؟''

شیخ چلی نے کہا: ''کیوں نہیں ہے۔''

شیخ چلی نے پرچی میں دیکھا اور ایک ڈھکن کھول کر اس آدمی کو دوا دی۔ آدمی دوا لے کر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک عورت آئی اور کہنے لگی: ''میرے بیٹے کو غصہ بہت آتا ہے۔ کچھ دوا دیں۔''

شیخ چلی نے پرچے میں دیکھا اور ایک ڈھکن کھولا اور اس عورت کو دوا دے دی۔ عورت نے پیسے دیے اور چلی گئی۔

دوسرے دن جب شیخ چلی نے دکان کھولی تو کل والے وہی لوگ آئے اور ایک کہنے لگا: ''آپ نے جو مجھے بھوک بڑھانے کے لیے دوا دی تھی، اس نے تو میری بھوک

بالکل ہی بند کردی تھی۔ پہلے کچھ نہ کچھ کھالیتا تھا، لیکن اب وہ بھی نہیں کھاتا۔"

دوسرا آدمی کہنے لگا: "آپ نے جو سردرد کی دوا دی تھی سر درد تو نہیں گیا، لیکن مجھے قبض ضرور ہو گیا ہے۔"

وہ عورت بولی: "میرے بیٹے کا غصہ تو کم نہیں ہوا، لیکن اس کی بھوک مٹ گئی ہے۔"

شیخ چلی سمجھ گئے کہ یہ ان ہی کا کارنامہ ہے۔ یہ سوچ کر وہ بھاگنے لگے اور وہ سب بھی ان کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگے۔

لعل ڈریگن

خولہ بنتِ سلیمان، کراچی

ائیر کموڈور محمد محمود عالم المعروف ایم ایم عالم (مرحوم) ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے فضائی ہیرو ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں وہ سرگودھا ائر بیس میں تعینات تھے کہ بھارتی ائرفورس نے حملہ کر دیا۔ اس موقع پر ملک کا دفاع کرتے ہوئے ایم ایم عالم نے ایک منٹ میں دشمن کے ۵ جہاز مار گرائے، جب کہ پہلے ۳۰ سیکنڈ میں چار بھارتی طیاروں کو گرانے کا عالمی رکارڈ قائم کیا۔ یہی کارنامہ ان کی شہرت کا سبب بنا اور اسی بنا پر انھیں "ستارۂ جرأت" دیا گیا۔ جب کہ اسی وجہ سے انھیں "لعل ڈریگن" بھی کہا جاتا ہے۔

اسکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم کو بچپن ہی سے پائلٹ بننے کا شوق تھا، جب کہ ان کے والد انھیں سی ایس پی آفیسر بنانا چاہتے تھے۔ ائرفورس جوائن کرنے کے بعد اسی خواب کی تعبیر کے لیے ایم ایم عالم نے لڑائی کی باقاعدہ تربیت حاصل کی۔ ایم ایم عالم اپنے خاندان کے پہلے فرد تھے، جو ائرفورس میں شامل ہوئے۔

ونگ کمانڈر (ریٹائرڈ) محمد اقبال، ایم ایم عالم کے فضائی معرکے کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان

دنوں میں سرگودھا ائر بیس میں تھا اور F104 جہاز پر بیٹھا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا کہ مجھے جہاز کا حکم ملے گا۔ دشمن کے حملے سے نمٹنے کے لیے میرے کئی ساتھی پرواز کر چکے تھے۔ دشمن کا ایک حملہ ناکام ہو چکا تھا اور اس کے چھے میں سے چار طیارے گرادیے گئے تھے کہ دوسرے حملے کی اطلاع ملی۔ میں F104 میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوا کے دوش پر روانہ ہوا۔ اسکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم اپنے ونگ کے ساتھ جنوب مشرقی حصہ میں تھے۔ اتنے میں مجھے دشمن کے چار جہاز جنوب مشرق کی طرف جاتے ہوئے نظر آئے۔ دشمن کے ہنٹر طیارے، ہمارے طیاروں سے زیادہ تیز تھے۔ ایم ایم عالم اور ان کا ونگ دشمن سے زیادہ قریب تھے۔ ایم ایم عالم بڑی مہارت اور جذبے کے ساتھ دشمن پر حملہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ اتنے میں دشمن کا پانچواں جہاز بھی نظر آیا۔ عالم نے پہلے اس جہاز سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور چند سیکنڈ کے اندر ایم ایم عالم کی گنوں نے دشمن کے طیارے پر آگ اُگلنا شروع کی اور ایک آگ کا گولا زمین سے جا ٹکرایا۔ فوراً ہی دوسرے طیارے کو بھی آگ کے گولے کی صورت میں زمین بوس ہونا پڑا۔ پھر تیسرے طیارے کو بھی ان کی گنوں نے اپنی زد میں لے لیا اور تیسرا گولا بھی زمین پر پہنچ گیا۔ پھر تو آخری دو طیاروں سے نمٹنا ایم ایم عالم کے لیے لمحوں کا کھیل ثابت ہوا اور وہ بھی آگ کے گولوں کی شکل میں زمین بوس ہو گئے۔ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی پائلٹ نے اپنے طیاروں سے زیادہ بہتر پانچ جہاز ایک منٹ سے بھی کم وقت میں مار گرائے ہوں اور یہ دنیا کی فضائی تاریخ کا بھی ایک نیا باب تھا۔

☆☆☆
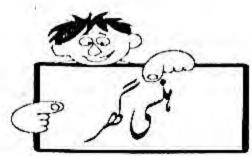
😊 ڈاکٹر: ''آپ کے تین دانت ایک ساتھ کیسے ٹوٹ گئے؟''

مریض: ''بیوی نے روٹی سخت پکائی تھی۔''

ڈاکٹر: ''تو انکار کر دیتے۔''

مریض: ''انکار ہی تو کیا تھا۔''

مرسلہ : اسریٰ خان، کراچی

😊 چوہے نے ہاتھی سے کہا: ''ایک دن کے لیے اپنی نیکر تو دینا۔''

ہاتھی نے ہنستے ہوئے پوچھا: ''تم کیا کرو گے؟''

چوہے نے کہا: ''بیٹی کی شادی ہے، ٹینٹ لگانا ہے۔''

مرسلہ : محمد قمر الزماں، خوشاب

😊 چوری کے الزام میں پکڑے جانے والے لڑکے کے والد سے مجسٹریٹ نے کہا: ''آپ نے بیٹے کی تربیت صحیح کیوں نہیں کی؟''

باپ نے کہا: ''جناب! اس کم بخت کو بہت سکھایا، لیکن یہ اکثر پکڑا جاتا ہے۔''

مرسلہ : نعیم اللہ، ہڈالی

😊 گاہک: ''آم کیسے لگائے ہیں؟''

پھل والا: ''سجا کر لگائے ہیں۔''

گاہک: ''ارے بھئی دے کیسے رہے ہو؟''

پھل والا: ''تول کر دے رہا ہوں۔''

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

😊 ایک دیہاتی آرٹ گیلری میں مصوروں کے شاہکار دیکھنے گیا۔ اسے ایک تصویر پسند آ گئی۔ دیہاتی نے تصویر کی قیمت پوچھی۔

''صرف پانچ سو روپے۔'' مالک نے تصویر کی قیمت بتلائی۔

دیہاتی فوراً بولا: ''اتنی مہنگی تصویر۔ تربوز کی ایک قاش، ایک سیب، انگوروں کا ایک گچھا اور ایک کیلا، یہ سب ملا کر ڈیڑھ سو روپے کا مال ہوا اور تم نے پانچ سو روپے مانگ لیے۔''

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

ایک آدمی بھاگتا ہوا پولیس اسٹیشن میں داخل ہوا اور کہنے لگا: ''مجھے جلدی سے گرفتار کرلو، میں نے اپنی بیوی کے سر پر ڈنڈا ماردیا ہے۔''

اہلکار: ''تو کیا بیوی مرگئی ہے؟''

آدمی: ''نہیں، وہ بچ گئی ہے۔''

مرسلہ : نام پتا نامعلوم

لڑکے والے اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے ایک لڑکی والوں کے گھر گئے۔ لڑکی والوں نے صاف جواب دے دیا: ''ہماری بیٹی ابھی پڑھ رہی ہے۔ ہم ابھی اس کی شادی نہیں کرسکتے۔''

لڑکے والوں نے کہا: ''چلو کوئی بات نہیں، اس وقت اسے پڑھنے دو، ہم لوگ دو گھنٹے کے بعد آجائیں گے۔''

مرسلہ : واجد نگینوی، کراچی

دو کھیاں چھت پر چہل قدمی کررہی تھیں۔ ایک نے کہا: ''یہ انسان کتنا بے وقوف ہے۔ کتنی رقم خرچ کرکے چھتیں تعمیر کراتا ہے، لیکن چلتا فرش پر ہے۔''

مرسلہ : ابوذر رمضان، کراچی

مجسٹریٹ (جیب کترے سے): ''تم نے اس آدمی کا بٹوا کس طرح نکال لیا کہ اس کو بالکل خبر نہ ہوئی۔''

ملزم: ''حضور! اس فن کو سکھانے کی فیس پانچ سو روپے ہے۔''

مرسلہ : جواد الحسن، لاہور

ایک بچہ گلی میں کھیل رہا تھا۔ قریبی گھر سے ایک کتا نکلا اور اس کے پاؤں چاٹنے لگا۔ بچہ روتا ہوا گھر آیا۔

ماں نے پوچھا: ''کیوں رو رہے ہو، کہیں پڑوسی کے کتے نے تو نہیں کاٹ لیا؟''

بچہ: ''ابھی تو چکھ کر گیا ہے، بعد میں کاٹ بھی لے گا۔''

مرسلہ : محمد افضل انصاری، لاہور

ٹرین نہایت سست رفتاری سے جارہی تھی اس دوران گارڈ ایک کمپارٹمنٹ میں آیا اور بولا: ''جو مسافر بھاگ پورہ جارہے ہیں انھیں افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ بھاگ پورہ کا اسٹیشن تباہ ہوگیا ہے وہاں آگ

لگ گئی ہے۔"

ایک لمحہ خاموشی رہی پھر ایک مسافر دوسروں کو تسلی دینے والے انداز میں بولا: "پریشانی کی کوئی بات نہیں، جب تک ہم بھاگ پورہ پہنچیں گے، اسٹیشن دوبارہ تعمیر ہو چکا ہوگا۔"

مرسلہ : صدف مختار، بوسال پور

☺ ایک خاتون دکان دار سے بولیں: "آپ نے ایک بھینگے آدمی کو ملازم کیوں رکھا ہوا ہے؟"

دکان دار: "اس طرح چوری کا امکان بہت کم ہو گیا ہے۔"

خاتون: "وہ کس طرح؟"

دکان دار: "گاہک کو پتا ہی نہیں چلتا کہ یہ کس طرف دیکھ رہا ہے۔"

مرسلہ : عبدالاحد صفوان، بہادر آباد

☺ جمیلہ (دادا جان سے): "آپ ابھی تک لڈو ڈھونڈ رہے ہیں، میں نیا لا دیتی ہوں۔"

دادا جان: "لڈو! اس لیے ڈھونڈ رہا ہوں کہ اس میں میرے دانت بھی پھنسے ہوئے ہیں۔"

مرسلہ : عائشہ محمد خالد قریشی، سکھر

☺ بیٹا (ماں سے): "مجھے لگتا ہے کہ میری بے خوابی بڑھتی جا رہی ہے۔"

ماں: "تمھیں یہ احساس کیسے ہوا؟"

بیٹا: "کل کلاس میں تین مرتبہ میری آنکھ کھلی۔"

مرسلہ : محمد قمر الزماں، خوشاب

☺ استاد (شاگرد سے): "تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ گائے کی کھال کس کام آتی ہے؟"

شاگرد: "یہ ساری گائے کو ایک جگہ سمیٹ کر رکھتی ہے۔"

مرسلہ : عائشہ محمد خالد، سکھر

☺ دو میراثی ایک بارات کے ساتھ گئے، جہاں ان کو بار بار پانی پلایا گیا۔

ایک میراثی نے تنگ آ کر کہا: "بھئی تھوڑے سے چاول بھی دے دو، پانی حلق میں پھنس گیا ہے۔"

مرسلہ : انس ارشاد، کراچی

جوابات معلومات افزا - ۲۲۷

سوالات نومبر ۲۰۱۴ء میں شایع ہوئے تھے

نومبر ۲۰۱۴ء میں معلومات افزا - ۲۲۷ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد ۱۶ ہی تھی، اس لیے ۱۵ کے بجائے ان سب نونہالوں کو انعامی کتاب بھیجی جا رہی ہے۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کی سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے۔

۲۔ زبیر بن عوام حضور اکرمؐ کے پھوپی زاد بھائی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے داماد تھے۔

۳۔ جامعۂ عثمانیہ (حیدر آباد دکن) میں قانون، انجینیرنگ اور طب کی تعلیم اردو زبان میں ہوتی ہے۔

۴۔ مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر کی بیٹی زیب النسا شاعرہ بھی تھی۔

۵۔ مشہور یونانی فلسفی سقراط ایک سنگ تراش کا بیٹا تھا۔

۶۔ پاکستان کے مشہور طبیب و ادیب حکیم محمد سعید کو ۱۹۶۶ء میں ستارۂ امتیاز دیا گیا تھا۔

۷۔ بھارت کے سب سے پہلے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن تھے۔

۸۔ اردو کے مشہور ناول نگار عبدالحلیم شرر کا انتقال ۱۹۲۶ء میں ہوا تھا۔

۹۔ محمد داؤد خاں، مشہور شاعر اختر شیرانی کا اصل نام تھا۔

۱۰۔ سندھ کے شہر حیدر آباد کا پرانا نام نیرون کوٹ تھا۔

۱۱۔ پاکستان کا سب سے بڑا ڈیم تربیلا ڈیم ہے۔

۱۲۔ تنزانیہ کے دارالحکومت کا نام ڈوڈوما ہے۔

۱۳۔ بناسپتی گھی بنانے کے لیے ہائیڈروجن گیس استعمال کی جاتی ہے۔

۱۴۔ ''خمیس'' عربی زبان میں جمعرات کے دن کو کہتے ہیں۔

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ ہے: ''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔''

۱۶۔ مشہور شاعر بشیر سیفی کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

دیکھو تو صاف گوئی کا کیسا صلہ ملا　　　جو بھی تھا میرا دوست، وہ دشمن سے جا ملا
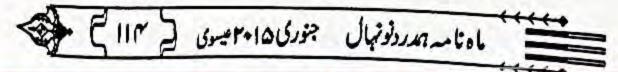
۱۶ درست جواب دینے والے خوش قسمت نونہال

☆ **کراچی:** صدف احمد، میعصم کمیل، سید طلحہ اشیم، سید محمد احسن، سید عالی وقار، اعظم مسعود، تحریم خان ☆ **پشاور:** حانیہ شہزاد، میاں محمد حاذق

☆ **لاہور:** وہاج عرفان ☆ **راولپنڈی:** محمد ارسلان ساجد ☆ **حیدر آباد:** نسرین فاطمہ

☆ **ٹنڈو محمد خاں:** اورنگ زیب ☆ **بدین:** ماہ نور فاروق

☆ **بہاول پور:** مبشرہ حسین ☆ **اٹک:** عمیرہ عدیل۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ **کراچی:** ماہم عباسی، شاہ محمد ازہر عالم، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سیدہ حالا طلعت، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، ناعمہ تحریم، محمد جہانگیر جویہ، حسن شہاب صدیقی، فرزانہ پروین، مریم عبدالرب، علینا اختر، سید حسان علی، فلزا نعمان ☆ **میر پور خاص:** ثنا ندیم، شہزیم راجا، وقار احمد ☆ **لاہور:** صفی الرحمان، مطیع الرحمان ☆ **راولپنڈی:** حفصہ کامران، محمد بن قاسم ☆ **حیدرآباد:** مرزا اسفار بیگ، جویریہ اشتیاق، ماہ رخ ☆ **رحیم یار خان:** اُمیمہ سمیع، ماہم فاطمہ ☆ **اٹک:** اسماء عثمان ☆ **تربت:** ذکیہ عبدالحمید دشتی ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** فاطمہ حبیب ☆ **سانگھڑ:** محمد ثاقب منصوری ☆ **شیخو پورہ:** محمد احسان الحسن۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ **کراچی:** احتشام خان، محمد معین الدین غوری، شازیہ وحید صدیقی، حسن رضا قادری، کومل فاطمہ اللہ بخش، اسماء زیب عباسی، لیاہ اعجاز، عائشہ قیصر، عبدالاحد، زہرہ شفیق، محمد ہمایوں ڈار، سیدہ اریبہ بتول، اریبہ شیخ، محمد آصف انصاری، سید علی رضا، یوسف کریم ☆ **بہاول نگر:** اسماء جاوید انصاری، رملہ ریحاب، طوبیٰ جاوید انصاری، انیلہ ارشد ☆ **لاہور:** عبدالجبار رومی

انصاری، خدیجہ خرم، ماریہ ندیم، محمد عالم ☆ **کشمور:** طارق محمود کھوسہ، عبدالغفار بلوچ ☆ **حیدرآباد:** سید محمد عمار حیدر، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **جامشورو:** معصب سعید ☆ **میر پور خاص:** عاقب اسماعیل ☆ **سکرنڈ:** صادقین ندیم خانزادہ ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **کرک:** پیرزادہ سید میر محمد آفتاب عالم سرحدی ☆ **فیصل آباد:** زینب ناصر ☆ **راولپنڈی:** رومیسہ زینب چوہان ☆ **سکھر:** عائشہ محمد خالد قریشی ☆ **کاموکے:** محمد حسنات حمید۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ **کراچی:** ارسلان الدین، محمد احسان عثمان، فردوس الرحمٰن، حافظ عبداللہ فاروق اعوان، محمد شیراز انصاری ☆ **حیدرآباد:** مریم عارف ☆ **صادق آباد:** مقدس لطیف ☆ **نواب شاہ:** مریم عبدالسلام شیخ ☆ **مریدکے:** عروج رانا، بریرہ رؤف ☆ **ٹیکسلا کینٹ:** مقبول احمد ☆ **کاموکے:** محمد ضرغام حمید ☆ **لاہور:** امتیاز علی ناز۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُرامید نونہال

☆ **کراچی:** سندس آسیہ، سعدیہ عابد، بہادر، جلال الدین اسد، طاہر مقصود، امامہ عالم ☆ **واہ کینٹ:** سیدہ عروج فاطمہ ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** آصف علی کھوسہ ☆ **کاموکے:** محمد حسنات حمید ☆ **سکھر:** سیدہ طیب رضوان گیلانی۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُراعتماد نونہال

☆ **کراچی:** افرح صدیقی، محمد فہد الرحمٰن، احسن محمد اشرف، محمد عثمان، کامران گل آفریدی ☆ **سکھر:** فلزہ مہر، ثمرہ مہر ☆ **ڈگری:** خنساء اکرم آرائیں ☆ **میر پور خاص:** فریحہ فاطمہ کے کے ،طوبیٰ نور محمد مری ☆ **اسلام آباد:** عثمان عبدالغنی خان، نیائش نور، سد سیف انور ☆ **سانگھڑ:** اقصیٰ انصاری جھول ☆ **گوجرانوالہ:** حافظ محمد منیب۔

☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال نومبر ۲۰۱۴ء میں جناب **شمیم نوید** کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد تین بہترین عنوانات کا انتخاب کیا ہے۔ جو مختلف جگہوں سے ہمیں تین نونہالوں نے ارسال کیے ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ ماضی میں گم : احسن جاوید، کراچی

۲۔ ناقابلِ واپسی : عبدالجبار رومی انصاری، لاہور

۳۔ ماضی کے تعاقب میں : زبیر احمد، میر پور خاص

﴾ چند اور اچھے عنوانات ﴿

زمانے کا قیدی۔ ماضی کا مسافر۔ وقت کا کھیل۔ ماضی کی سیر۔
ماضی کا سفر۔ تلاشِ ماضی۔ وقت کا قیدی۔ ماضی کے پیچھے۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے
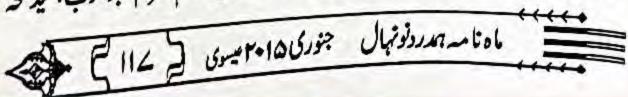
☆ **کراچی:** ماہم عباسی، نائمہ تحریم، عافیہ ذوالفقار، مقدس غوری، ہانیہ شفیق، محمد شایان اسر خان، اریبہ شیخ، اسماء زیب عباسی، سیدہ اریبہ بتول، علینا اختر، محمد احمد احسن، محمد احسان عثمان، احسن جاوید بسام، ایمن صدیقی، صدف آسیہ، صدف احمد، محمد جہانگیر جوئیہ، حسیب جاوید، جویریہ عبدالحمید، رمشا صابر، نادیہ اقبال، عبدالوہاب زاہد محمود، شاہ بشریٰ عالم، مریم عبدالرب، سید طلحہ

شمیم، محمد عمران، سید علی رضا، شاذان اعجاز، عائشہ قیصر، مصامص شمشاد غوری، عبدالاحد، کمیل علی، حسن رضا قادری، صباح کریم، قلزا نعمان، فاطمہ عمران احسان، سیدہ نمرا مسعود، کومل فاطمہ اللہ بخش، جویریہ محمد اسلم جاکھرو، سیدہ حالا طلعت، محمد شیراز انصاری، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سید باذل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر، تحریم خان، طاہر مقصود، سعدیہ عابد، عریشہ بنتِ حبیب الرحمٰن، محمد معین الدین غوری، احتشام خان، جلال الدین اسد، احمد حسین محمد باذل، بہادر، محمد فہد الرحمٰن، کامران گل آفریدی، احسن محمد اشرف، فضل ودود خان، محمد عثمان، رضوان ملک، علی حسن محمد نواز، محمد صفی اللہ، فصل قیوم خان، نعمان احمد ☆ **راولپنڈی:** قراۃ العین محمود، محمد بن قاسم، رومیسہ زینب چوہان ☆ **اسلام آباد:** صہیب صدیقی، عمارہ فرقان، عثمان عبدالغنی خان، نیائش نور، عشاء مریم، ریان منصور علوی ☆ **لاہور:** وہاج عرفان، روحانہ احمد، عبدالجبار رومی انصاری، عطیہ جلیل، ماہین صباحت، محمد آصف جمال، امتیاز علی ناز، جواد الحسن ☆ **حیدرآباد:** اقصیٰ سرفراز انصاری، عائشہ ایمن عبداللہ، مریم عارف، عائشہ اللہ دین، اسماء شبیر احمد، آفاق اللہ خان، مرزا اسفار بیگ، ماہ رخ، زرشت نعیم راؤ، انوشہ بانو سلیم الدین، سید محمد عمار حیدر ☆ **میرپورخاص:** زبیر احمد، نورالہدیٰ اشفاق، ثنا ندیم، حرا محمود احمد، فیضان احمد خان، عائشہ اسماعیل، طوبیٰ نور محمد مری، فریحہ فاطمہ کے کے ☆ **نواب شاہ:** ارم بلوچ محمد رفیق، مریم عبدالسلام شیخ ☆ **شیخوپورہ:** عروج رانا، محمد احسان الحسن ☆ **تربت:** ذلیہ عبدالمجید دشتی ☆ **اٹک:** ہاجرہ عدیل، اسماء عثمان ☆ **بہاول پور:** مبشرہ حسین، محمد شکیب مسرت ☆ **سانگھڑ:** علیزہ ناز منصوری، اقصیٰ انصاری جھول ☆ **پشاور:** حانیہ شہزاد، میاں محمد حاذق ☆ **رحیم یار خان:** محمد انس سمیع، زین

العابدین، ماہم فاطمہ ☆ **بہاول نگر:** اسماء جاوید انصاری، طوبیٰ جاوید انصاری، رملہ ایجاب، انیلہ ارشد ☆ **سکھر:** عائشہ محمد خالد قریشی، سمیہ وسیم، فلزہ مہر، ثمرہ مہر ☆ **ٹنڈو محمد خان:** کنول فاطمہ ☆ **ٹنڈوالہیار:** مدثر آصف کھتری ☆ **واہ کینٹ:** محمد احمد عبداللہ ☆ **بدین:** ماہ نور فاروق ☆ **کرک:** پیرزادہ سید میر محمد آفتاب عالم سرحدی ☆ **ملتان:** تحریم فاطمہ، گل زہرہ ☆ **جامشورو:** حافظ معصب سعید، حافظ محمد منیب ☆ **جھڈو:** شہزیم راجا ☆ **کشمور:** طارق محمود کھوسو ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **ٹیکسلا:** مقبول احمد ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** آصف علی کھوسہ ☆ **گھوٹکی:** سید علی حیدر شاہ جیلانی ☆ **صادق آباد:** مقدس لطیف ☆ **جہلم:** اسامہ ظفر راجا ☆ **بیلا:** محمد الیاس چنا ☆ **لاڑکانہ:** اظہر علی پٹھان ☆ **فیصل آباد:** زینب ناصر ☆ **آزاد کشمیر:** درِشہوار خان ☆ **خانیوال:** محمد عبداللہ اعجاز ☆ **چکوال:** محمد ثاقب۔

☆

ہر مہینے ہزاروں تحریریں

ہمدرد نونہال میں شائع ہونے کے لیے ہر مہینے ہزاروں تحریریں (کہانیاں، لطیفے، نظمیں اور اشعار) ہمیں ملتی ہیں۔ ان میں سے جو تحریریں شائع ہونے کے قابل نہیں ہوتیں۔ ان تحریریں کے نام ''اشاعت سے معذرت'' کے صفحے میں شائع کر دیے جاتے ہیں۔ لطیفوں اور چھوٹی تحریروں اقتباسات وغیرہ) کے نام اس صفحے میں نہیں دیے جاتے۔ نونہالوں سے درخواست ہے کہ وہ ہم سے خط لکھ کر سوال نہ کریں۔ ایسے خطوں کے جواب سے وقت بچا کر ہم اسے رسالے کو زیادہ بہتر بنانے میں خرچ کرنا چاہتے ہیں۔

☆

نونہال لغت

کسوٹی	کَ سَو ٹی	وہ پتھر جس سے سونے کی جانچ کی جاتی ہے، پرکھ۔ آزمائش۔ امتحان۔
گروی	گِ رْ وِ ی	وہ چیز جو رہن رکھی جائے۔
لحد	لَ حَ د	قبر۔ مزار۔ تربت۔ گور۔
لحظہ	لَ حْ ظَ ہ	پل۔ لمحہ۔ پلک جھپکنے کا عرصہ۔
سرسری	سَ رْ سَ رِ ی	سرسری۔ جلدی سے۔ چلتے چلتے۔ مختصراً۔
وتیرہ	وَ تِ یْ رَ ہ	عادت۔ دستور۔ شیوہ۔ روش۔ طریقہ۔
توہین	تَ وْ ہِی ن	ذلت۔ حقارت۔ بے عزتی۔ اہانت کرنا۔
درگزر	دَ رْ گُ زَ ر	معافی۔ چشم پوشی۔
عقیدت	عَ قِی دَ ت	اعتقاد۔ ارادت مندی۔
تند	تُ نْ د	تیز۔ غضب ناک۔ سخت۔ کڑوا۔ تلخ۔
نمودار	نَ مُو دَ ا ر	عیاں۔ ظاہر۔ آشکار۔
متضاد	مُ تَ ضَا د	برعکس۔ خلاف۔ الٹا۔
مصلوب	مَ صْ لُو ب	صلیب پر چڑھایا گیا۔ سولی دیا گیا۔
تلاطم	تَ لَا طُ م	موجوں کا زور۔ پانی کے تھپیڑے۔ موج۔ لہر۔ جوش۔ ولولہ۔
میراث	مِی رَ ا ث	ورثہ۔ ترکہ۔ وہ جائداد وغیرہ جو مرنے والے کی طرف سے حق داروں کو ملے۔
ناشناس	نَا شَ نَا س	نہ پہچاننے والا۔